وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس

ملتان

جلد نمبر: ۲۳ شمارہ نمبر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ نومبر ۲۰۲۵ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی **محمد تقی عثمانی** مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا **انوار الحق حقانی** مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا **محمد حنیف جالندھری** مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سوشل میڈیا کا استعمال اور ہمارے بعض قابل اصلاح رویے	کلمۃ المدیر	۳
عافیت کی مسنون دعائیں اور ان کی ضرورت واہمیت	مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی	۶
خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت	مولانا بدر الحسن القاسمی	۱۹
قیاس اور اجتہاد فی النص	مولانا مفتی محمد مصعب قاسمی	۲۳
سنن نسائی کا جامع تعارف	مولانا مفتی محمد طارق محمود	۳۰
حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ	مولانا عبد اللطیف قاسمی	۳۹
علامہ شُرنبلالی کا علمی مقام	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۴۳
تعلیم وتربیت پر ماحول کے اثرات	مولانا اعجاز مصطفیٰ	۴۸
شیخ الحدیث علامہ الحاج غلام محمد جونیجو رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں	مولانا ڈاکٹر بشیر احمد رند	۵۳
بلوچستان کا علمی منظرنامہ بی مشاہدات وتاثرات	مولانا مفتی سمیع الرحمن	۵۸
مطالعے کی میز سے	محمد احمد حافظ	۶۱

﴿مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں﴾

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر-سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر-ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

كلمة المدير

سوشل میڈیا کا استعمال اور ہمارے بعض قابل اصلاح رویے

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

تمام حمد وثنا کائنات کے پالنہار کے لیے ہے، درود وسلام ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی آل پر اور آپ کے جاں نثار صحابہ پر!۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابلاغ کی نہایت عمدہ صلاحیت اور نعمت سے نوازا ہے۔ ابلاغ کا ذریعہ زبان بھی ہے اور تحریر بھی۔ انسان ان دونوں ذریعوں سے اپنا ما فی الضمیر ادا کرتا ہے۔ پہلے انسان کے بیان اور تحریر کا دائرہ اثر محدود ہوتا تھا لیکن آج جدید آلات کی وجہ سے جغرافیائی سرحدوں سے ماورا ہو چکا ہے۔

آج کے دور میں سوشل میڈیا ایک طاقتور ذریعہ ہے جو ہمیں دنیا بھر کے لوگوں سے جوڑتا ہے، ہماری آواز اور پیغام کو لوگوں تک پہنچاتا اور معلومات کی فراہمی میں مدد کرتا ہے۔ سوشل میڈیا رائے عامہ کو ہموار کرنے یا کنٹرول کرنے کا بھی بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔ بڑے بڑے انقلابات اسی ذریعے سے رُونما ہو رہے ہیں، حکومتیں گرائی جاتی ہیں، اقتدار کی راہ داریوں میں نئے لوگوں کی آمد کا بندوبست کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس ذریعے سے ملکوں اور قوموں کو تباہ کن جنگوں کی دَلدل میں دھکیلا جا سکتا ہے۔ اسی ذریعے سے قبائلی، گروہی، لسانی، مذہبی اور مسلکی جنگیں بھی لڑی جا رہی ہیں۔ چناں چہ ''سائبر وار'' مستقل اصطلاح بن چکی ہے۔

یہ ذرائع ابلاغ بھی ایک نعمت تھے بشرطیکہ ان کا درست استعمال کیا جاتا۔ ذرائع ابلاغ میں روز افزوں ترقی اس لیے تھی کہ انسان مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ افراد تک اپنا پیغام پہنچا سکے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پیغام دینے والے کی اخلاقی اور سماجی ذمہ داری تھی کہ وہ جانچ لے کہ اس کا پیغام حقیقت پر مبنی ہے؟ اس پیغام اور نشریہ سے معاشرے کو کسی طرح کا دینی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی نقصان تو نہ پہنچے گا؟ کہیں امن و امان متاثر تو نہ ہو گا؟۔ مگر بدقسمتی سے سوشل میڈیا کو مثبت سوچ کے ساتھ استعمال کرنے کے بجائے منفی طریقے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا کا زیادہ تر استعمال جھوٹی خبروں کے پھیلاؤ کے لیے کیا جاتا ہے۔ من گھڑت اور بے بنیاد خبروں اور پیغامات کے ذریعے لوگوں خصوصاً نوجوان نسل کی منفی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ جھوٹی خبروں کو پھیلانے سے نہ صرف عزت دار لوگوں کی عزتیں اچھالی جاتی ہیں بلکہ ریاست میں سیکورٹی معاملات، امن وامان، ریاستی اداروں میں باہمی ٹکراؤ اور ان اداروں اور عوام میں بدگمانیاں پیدا کر کے خلیج پیدا کرنے اور معاشی طور پر ملک کو نقصان

پہنچانے کی کوششیں کی جاتی ہیں جو ملک وقوم کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں۔

یہ تو عام لوگوں کی بات تھی، بدقسمتی سے ہمارا مذہبی طبقہ بھی کسی سے پیچھے نہیں، سوشل میڈیا کے ذریعے آئے روز نت نئے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، گڑے مردے اکھاڑے جاتے ہیں، ایک دوسرے پر رکیک حملے ہوتے ہیں، مخالفین پر اتہام ودُشنام کے ہمہ نوع زہر آلود اسالیب آزمائے جاتے ہیں۔ بعض اہل علم اپنے علمی مناقشات کو سوشل میڈیا پر حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والوں پر زہرناک تبصرے کرتے ہیں، ایک دوسرے کو بے نقط سناتے ہیں۔ کسی نے ایک سیر گالی دی ہے تو کوشش ہوتی ہے کہ اسے سوا سیر گالی دے کر اپنی اَنا کی تسکین کی جائے۔ نوخیز فضلاء قابل احترام بزرگوں اور اسلاف کا تذکرہ یوں کرتے ہیں جیسے وہ اِن کے ادنیٰ شاگرد ہوں۔ ان کی عزتوں کو پامال کیا جاتا ہے؛ اور معمولی اختلاف پر انہیں مطعون کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شستگی، شائستگی اور شرافت طبع ہمارے ہاں سے رخصت ہوچکی ہے۔ ہمارا حال اُن عامیوں جیسا ہو چکا ہے جو محلے ؛ بازاروں کے تھڑے اور چوپالوں پہ بیٹھ کر بحثا بحثی کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں معلوم ہے: **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ**۔ انہیں قرآن پاک کا یہ حکم بھی معلوم ہے: **وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ**۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں: **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ**۔

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ ایک روز انہیں اپنے افعال واقوال کا حساب دینا ہے؟! قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النور)

اُس روز ان کی زبانیں، اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ (دنیوی زندگی میں) کیا کیا کرتے رہے؟۔

زبان کی حفاظت کس قدر مہتم بالشان ہے؟ ایک حدیث ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زبان کی حفاظت کی نصیحت کرتے ہوئے اپنی زبان کو پکڑ کر فرماتے ہیں:

كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا ''اس کو روک کر رکھو!۔''

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: **قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخِذُونَ بِمَا تَتَكَلَّمُ بِهِ؟** ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا ہم باتوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے، کیا ہمارا مواخذہ اور محاسبہ باتوں پر بھی ہوگا؟۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ قَالَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ اِلاَّ حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ** (ترمذي) ''تیری ماں تجھے گم پائے اے معاذ! لوگوں کو جہنم میں ان کے

چہروں یا ان کے نتھنوں کے بل اُن کی زبانوں کی کٹائی اور گھائل شدہ چیز ہی تو پھینکے گی۔''

ایک حدیث شریف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَن کانَ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَ الیومِ الآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیراً اَوْ لِیَصْمُتْ۔ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ چپ رہے۔ (بخاری)

زبان کے غلط استعمال کی سب سے بڑی زد لوگوں کی عزتوں پر پڑتی ہے اور لوگوں کی عزتوں کی حرمت ان کے خون کی حرمت کے برابر ہے، ان کے مال کی حرمت کے برابر ہے اور مکۃ المکرمہ کی حرمت کے برابر ہے، دیکھیے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَأَمْوَالَکُمْ وَأَعْرَاضَکُمْ بَیْنَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هَذَا، فِي شَهْرِکُمْ هَذَا، فِي بَلَدِکُمْ هَذَا (بخاري)

''یقیناً تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں، تمہارے آج کے دن تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر کی حرمت کی طرح بلکہ بندۂ مؤمن کی حرمت کعبۃ اللہ کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے۔''

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کعبۃ اللہ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

مَا أَعْظَمکَ وَأَعْظَمَ حُرْمَتکَ، وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ الله منك (ترمذي) ''تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے مگر مؤمن کی حرمت اللہ تعالی کے ہاں تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔''

مگر ہم ایک دوسرے کی عزت کی حرمت کا لحاظ کہاں تک کرتے ہیں ہم سب خوب جانتے ہیں۔

ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سوشل میڈیا کا استعمال اطلاعات اور معلومات کی ترسیل کی حد تو درست ہے، لیکن اس فورم پر علم وتحقیق کے معرکے برپا کرنا مناسب نہیں۔ اس لیے کہ یہ میڈیم ہر عالم وجاہل کی دسترس میں ہے، اور آپ کی کہی ہوئی بات کا اثر ہر شخص اپنے طبعی میلانات کے مطابق قبول کرتا ہے۔ سوشل میڈیا پر عقیدہ وایمان کی بحثیں کرنا، مشاجرات صحابہ کو زیر بحث لانا، تاریخ اسلام کے بعض واقعات پر قیل وقال کرنا، معاصر علماء کے ساتھ اختلاف کرنا۔۔۔کسی کے لیے راہ راست پہ آنے کا سبب بن سکتا ہے تو بہت سوں کی گمراہی کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ آج جو الحاد کی گرم بازاری ہے اس کا ایک سبب ہمارے نزاعات بھی ہیں۔ دورِ حاضر میں سوشل میڈیا کا استعمال نہایت احتیاط کا متقاضی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہم ان نزاکتوں کو سمجھیں اور دینی اخلاقیات کو اپنا زیور بنانے کی کوشش کریں۔ **اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ ورنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔**

عافیت کی مسنون دعائیں اوران کی ضرورت واہمیت

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

فی زمانہ انسان جن گوناگوں مسائل میں گھر چکا ہے ان کے ہوتے ہوئے کوئی ایک گھڑی بھی عافیت کے ساتھ گزار لینا اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔تہذیب جدید نے انسان کو آسائشات سے بہرہ ورتو کیا ہے مگر سکون قلب سے محروم کردیا ہے۔ناگہانی آفات ومصائب کا دور دورہ ہے ،نہ سمجھ آنے والی موذی بیماریاں،اچانک موت پیش آجانا، حادثات،اموال کا ضیاع وغیرہ عام ہیں۔خود اہل مدارس کو تعلیم دین اور دعوت دین کے دوران جن تکالیف اور مشکلات ومسائل کا سامنا رہتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ اپنے اعمال کی درستی کے ساتھ ساتھ رجوع الی اللہ؛اور دعاومناجات میں سرگرمی دکھائی جائے۔زیرنظر مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی مدظلہم کے قلم سے ہے۔آپ نے محققانہ انداز میں عافیت کے حوالے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مسنون دعاؤں کو سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان دعاؤں پر مداومت کرنے والوں نے ان کی حیرت انگیز تاثیر دیکھی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل مدارس نہ صرف خود ان دعاؤں کو اپنے معمول میں لائیں بلکہ اپنے طلبہ کو بھی ان کے اہتمام پر توجہ دلائیں۔(مدیر)

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت پر جو احسانات فرمائے وہ حدِّشمار سے باہر ہیں،ان میں ایک عظیم احسان دعاؤں کا تحفہ ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں کثرت سے دعائیں کیں،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں محفوظ کیا اور دعواتِ نبویہ کا یہ انمول تحفہ آگے امت تک پہنچایا۔

دعا کیا ہے؟ دین و دنیا کے تمام خزانوں کی شہ کلید ہے،جس خوش نصیب مسلمان کو دعا کی توفیق مل گئی اسے سب کچھ مل گیا چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں: **مَنْ فُتِحَ لَه فِي الدُّعَاءِ مِنْكُمْ فُتِحَتْ لَه اَبْوَابُ الِاجَابَةِ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)**

’’تم میں سے جس شخص کے لئے دعاء کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھول دیئے گئے۔‘‘

دوسری روایت:......**فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ (مستدرک حاکم)۔**

’’اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے‘‘

تیسری روایت:......**فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ، الحديث (ترمذی)**

''اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔''

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دعا اپنی جگہ کامل و اکمل اور دنیا و عقبیٰ کی حاجات کیلئے کافی و وافی ہے لیکن بعض دعائیں اس شان کی ہیں کہ بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت اہمیت دی اور دوسری دعاؤں کی بنسبت ان کا زیادہ اہتمام فرمایا، ایسی مہتم بالشان دعاؤں میں سرفہرست دعاءِ عافیت ہے۔ دعاء عافیت کی اہمیت اور اس کا مقام و مرتبہ بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عافیت کی حقیقت بیان کی جائے۔

عافیت کی حقیقت:

کتب حدیث میں دعاء عافیت کے ضمن میں تین چیزیں مانگنے کی ترغیب دی گئی:

عفو: اس کے معنیٰ ہیں گناہوں کی معافی اور سزا سے چھٹکارا۔

عافیت: ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں ہر قسم کی ظاہری، باطنی، دنیوی، اخروی، آفات و بَلِیّات، مکروہات و مصائب سے حفاظت و سلامتی، نیز دین و دنیا کی تمام برکات اور بھلائیوں سے مالا مال ہونا پایا جاتا ہے۔

معافاۃ: بندہ کا مخلوق کے شر و فساد اور اس کے ایذاء رسانی سے محفوظ رہنا اور مخلوق کا اس کے شر و ایذاء سے محفوظ رہنا۔ مشہور لغوی اور محدث علامہ محمد طاہر صدیقی پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العفو تعالیٰ من العفو: التجاوز عن الذنب وترک العقاب... ومنہ ح سلوا اللہ العفو والعافیۃ والمعافاۃ: فالعفو محو الذنوب والعافیۃ السلامۃ من الاسقام والبلایا وھی الصحۃ وضد المرض کالثاغیۃ بمعنی الثغاء والمعافاۃ ان یعافیک اللہ من الناس ویعافیھم منک ای یغنیک عنھم ویغنیھم عنک ویصرف اذاھم عنک واذاک عنھم۔ سلوا اللہ العافیۃ وھی متناولۃ لدفع جمیع المکروھات فی البدن والباطن فی الدین والدنیا والاٰخرۃ ط: ماسئل اللہ شیئا یعنی احب الیہ من ان یسأل العافیۃ وذٰلک لانہ لفظ جامع لانواع خیر الدارین۔

(مجمع بحار الانوار ج: ۳ ص ۱۲۳ و مثلہ فی النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ص ۶۱۵ والقاموس المحیط ۳۱۹)

دعاء عافیت کی اہمیت:

دعاءِ عافیت کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت قرار دیا۔ بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جانے والا افضل ترین سوال قرار دیا۔ نیز تمام دعاؤں میں اسے افضل ترین دعا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمام دعاؤں میں اسے محبوب ترین دعا قرار دیا۔ مزید عافیت کی نعمت

کوفلاح دارین کی ضمانت قرار دیا۔خود اس دعا کا صبح وشام پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائمی معمول رہا۔اپنے محبوب چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو کثرت سے عافیت کی دعا مانگنے کا حکم فرمایا۔

غرض دعاءِ عافیت دعواتِ نبویہ میں ایک منفرد اور اہم ترین دعا ہے۔اب اس بارے میں احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱)......حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا:

سَلُوا اللّٰہَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَۃَ فَاِنَّ اَحَداً لَمْ یُعْطِ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْر اً مِنَ الْعَافِیَۃِ

(ترمذی،ابن حبان، واخرجہ ایضا من حدیثہ احمد والنسائی وابن ماجہ والحاکم وصححہ)

''اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے رہو اس لیے کہ کسی بھی شخص کو ایمان ویقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی نعمت نہیں عطا کی گئی۔''

اس حدیث کی تشریح میں علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

(اس دعا میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے گناہوں کی معافی کا سوال کیا جو اخروی کامیابی کا سب سے بڑا سہارا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے عافیت طلب کی جو امور دنیا کی صلاح وبہتری، اس کے شرور ومصائب سے حفاظت وسلامتی کا سب سے بڑا سہارا ہے، درحقیقت یہ دعا جوامع الکلم اور فوائد نافعہ میں سے ہے، بندے پر لازم ہے کہ دعاءِ عافیت کثرت سے مانگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء عافیت کے متعلق یہ ارشاد فرما کر کے کسی بھی شخص کو ایمان ویقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی نعمت نہیں عطا کی گئی، اس کے مزید فوائد ومنافع گنانے کی طویل تقریر سے بے نیاز فرما دیا، جب اس دعا کا یہ مقام ومرتبہ ہے کہ کسی شخص کو ایمان ویقین کے بعد اس سے بڑی خیر نصیب نہیں ہوئی تو (اس سے واضح ہوگیا کہ) یہ تمام خصلتوں میں سب سے فائق اور بلند وبرتر ہے اور اس کا درجہ ہر خیر وبھلائی سے بڑھ کر ہے۔(تحفۃ الذاکرین ص ۴۵۳)

(۲)......حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماسأَل اللّٰہ العباد شیئًا افضل من ان یغفر لھم و یعافیھم

(رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح غیر موسیٰ بن السائب وھو ثقۃ)

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں نے اس سے افضل کوئی دعا نہیں مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیں اور انہیں عافیت عطا فرمائیں۔''

(۳)......حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ لوگوں پر گزر ہوا جو مصیبت میں مبتلا تھے تو (ان کی حالت دیکھ کر) ارشاد فرمایا:

اما کان ھؤلاء یسئولون اللہ العافیۃ (بزار)

کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال نہیں کرتے تھے؟

(۴)......حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قلت یا رسول اللہ! علمنی شیئاً أسأله اللہ تعالیٰ قال سل اللہ العافیۃ، فمکثت ایاما ثم جئت فقلت یا رسول اللہ! علمنی شیئا اسأله اللہ تعالیٰ قال یا عباس، یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سل اللہ العافیۃ فی الدنیا و الاٰخرۃ۔ (ترمذی، طبرانی، وقال الترمذی ھٰذا حدیث صحیح)

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہیے، کچھ دن ٹھہر کر میں پھر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عباس! اے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے چچا! اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگتے رہیے۔''

اس حدیث کی تشریح میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکرر سوال پر کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں یہ حکم فرمانا کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہیے اس کی روشن دلیل ہے کہ دعاؤں میں کوئی دعا بھی دعاءِ عافیت کے برابر نہیں، نہ ہی کوئی ایسا کلام اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے جس سے رب ذوالجلال کو پکارا جائے، (یہ دعا بے مثال ہے) (تحفۃ الذاکرین ص ۴۵۵)

(۵)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعمہ العباس، یا عم اکثر الدعاء بالعافیۃ (طبرانی فی الکبیر)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا اے چچا! کثرت سے دعا عافیت مانگتے رہیے۔''

(۶)......حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ان رجلا جآء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ای الدعاء افضل؟ قال سل ربک العافیۃ و المعافاۃ فی الدنیا و الاٰخرۃ، ثم اتاہ فی الیوم الثانی فقال یا رسول اللہ ای الدعا افضل؟

فقال له مثل ذلک، ثم فی الیوم الثالث فقال له مثل ذلک ،قال فاذا اعطیت العافیة فی الدنیا واعطیتها فی الاٰخرة فقد افلحت (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن من ھذا الوجہ)

''ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! دعاؤں میں سب سے افضل دعا کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے رب سے دنیا وآخرت کی عافیت ومعافاۃ (مخلوق کے شر وایذاء سے حفاظت) مانگتے رہو، پھر وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوسرے دن حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! دعاؤں میں سب سے افضل دعا کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہی جواب دیا، پھر وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیسرے دن حاضر ہوا اور وہی سوال دہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بھی وہی جواب دہرایا کہ عافیت مانگو، مزید) ارشاد فرمایا جب تمہیں دنیا وآخرت میں عافیت عطا کی گئی تو تم فلاح پا گئے۔''

(۷)......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مامن دعوۃ احب الی اللہ ان یدعو بھا احد من ان یقول: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ الْمُعَافَاۃَ وَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ (طبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح)

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس سے بڑھ کر کوئی دعا محبوب نہیں کہ بندہ عرض کرے......اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ... (اے اللہ! میں آپ سے دنیا وآخرت کی معافاۃ (مخلوق کے شر وایذاء سے حفاظت) اور عافیت مانگتا ہوں)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دعاء عافیت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہر دعا سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ ہے، خواہ کوئی سی دعا ہو، جیسا کہ حدیث کے الفاظ کا یہ عموم اور قاعدہ کلیہ بتا رہا ہے، پس عافیت کرنا تین چیزوں کی جامع ہے:

۱)......اس کا دنیا وآخرت کی تمام خیروں اور بھلائیوں کو شامل ہونا۔

۲)......دعاء عافیت علی الاطلاق تمام دعاؤں سے افضل ہے۔

۳)......بندہ جتنی بھی دعائیں مانگے اس کی تمام دعاؤں میں علی الاطلاق دعاء عافیت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے محبوب دعا ہے۔(تحفۃ الذاکرین ص ۴۵۶)۔

(۸)......حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:

کنت مع عبداللہ بن جعفر اذ جاءہ رجل فقال مرنی بدعوات ینفعنی اللہ بھن، قال نعم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسأله رجل عما سألتنی عنه فقال سل اللہ العفو والعافیة فی الدنیا والاٰخرة۔ (طبرانی فی الکبیر)

''میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا مجھے کچھ ایسے دعائیہ کلمات بتادیجیے جن کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جو تم نے مجھ سے کیا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی معافی اور عافیت مانگتے رہو۔''

(۹)......حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ثم مَرَّ علی رجل یقول... اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُکَ الصَّبۡرَ قَالَ قَدۡ سأَلۡتَ ربک البلاء فسله العافیة... الحدیث۔ (الادب المفرد للبخاری)

''پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو دعا کر رہا تھا'' اے اللہ! میں آپ سے صبر (کی توفیق) مانگتا ہوں''، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے رب سے مصیبت مانگی ہے، اس کے بجائے اس سے عافیت مانگو۔''

(۱۰)......حضرت ابوالحسن ہلال بن یساف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان فی الجمعة لساعة لا یوافقھا رجل مسلم یسال اللہ فیھا شیئا الا اعطاہ فقال رجل

یا رسول اللہ! ماذا اساله؟ قال سل اللہ العافیة فی الدنیا و الاٰخرة۔ (المصنف لابن ابی شیبۃ)

''جمعہ کے دن میں (قبولیت کی) ایک گھڑی ہے، جو بھی مسلمان اس کی موافقت کرتے ہوئے اس میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ وہ چیز اسے ضرور عطا فرمائیں گے، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں (اس گھڑی میں) اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگو۔''

(۱۱)......حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یرد الدعاء بین الاذان و الاقامة قبل ماذا نقول یا رسول اللہ؟

قال سلو اللہ العافیة فی الدنیا و الاٰخرة (اخرجہ الترمذی وحسنہ والنسائی وابن خزیمۃ وابن حبان وصححاہ)۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذان و اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی (یقینا قبول ہوتی ہے) عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہم (اس موقع پر) کیا مانگیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگتے رہو۔''

۱۲) حضرت ابوالحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یشتک شکوی الاسأل اللہ العافیۃ حتی فی مرضہ الذی مات فی الحدیث۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ، طبقات ابن سعد، الخصائص الکبریٰ، السیرۃ الحلبیۃ، سبل الہدیٰ والرشاد)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بیمار ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگی، حتیٰ کہ اپنے اس مرض میں بھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا (عافیت ہی مانگی)۔''

کتاب کے آخر میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ عافیت کے موضوع پر احادیث بہت زیادہ ہیں، ان میں بعض تو وہ ہیں جو خاص دعاء عافیت ہی کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور بعض وہ ہیں جن میں دوسری دعاؤں کے ساتھ دعاء عافیت کا ذکر بھی آیا ہے۔ ان تمام روایات کا تذکرہ بہت زیادہ بسط وتفصیل کا محتاج ہے، سنت مطہرہ سے جو شخص بھی آگاہی رکھتا ہے وہ مصنف (امام محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا سچ اور حقیقت ہونا جان لے گا۔ انہوں نے اپنی کتاب (حصن حصین) کے اختتام پر فرمایا کہ دعاء عافیت تقریباً پچاس سندوں سے منقول ہے حالانکہ تواتر اس سے بھی کم مقدار سے ثابت ہو جاتا ہے (حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم حدیث متواتر ہے جو قطعی ہوتی ہے، کسی حدیث کی سندیں پچاس سے کم ہوں تب بھی وہ حدیث متواتر ہے)۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۴۵۷)

موجودہ دور فتنوں کا دور ہے، آفات اور حادثات کا دور ہے، چنانچہ کوئی دن خالی نہیں جاتا جس میں کسی المناک حادثے کی خبر نہ آئے، ان پرآشوب حالات میں دعاء عافیت کی اہمیت در جہا بڑھ جاتی ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ صبح وشام اَللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی مانگے، اپنے لیے بھی اور اپنے اہل وعیال کے لئے بھی، دعاء عافیت ہر مسلمان کی اولین ضرورت ہے، کوئی مسلمان اس سے غافل نہ ہو۔

عافیت کی دعائیں:

عافیت کی اسی ضرورت واہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بہ موقع دعاء عافیت کا اہتمام فرمایا اور امت کو بھی تلقین فرمائی، جن مواقع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء عافیت مانگی یا صحابہ کو تلقین فرمائی، ان کی تعداد کثیر ہے، ان میں چند دعائیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

(۱) قرآنی دعاء: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار۔

’’اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔‘‘

یہ دونوں جہانوں کی عافیت وسلامتی وخیر وبھلائی پر مشتمل جامع ترین دعا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خاص اہتمام فرماتے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (بخاری ومسلم)

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

سأل قتادة اَنَسًا ای دعوة کان اکثر مایدعو بها النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال یقول: اللّٰهم

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

وکان انس اذا اراد ان یدعو بدعوة دعا بها واذا اراد ان یدعو بدعاء دعا بها فیه۔ (مسلم، احمد)

’’حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کون سی دعا مانگتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: اللّٰھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة ......الحدیث۔

اور خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ایک دعا کرنا چاہتے تو یہی دعا مانگتے اور زیادہ دعائیں کرنا چاہتے تو ان میں اس دعا کو بھی شامل رکھتے۔‘‘

(۲) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان! میں صبح وشام یہ دعائیں تین تین بار آپ کو پڑھتے ہوئے سنتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ، اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ، اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔ (۳ بار)

’’اے اللہ! مجھے جسم میں عافیت عطا فرما، اے اللہ! مجھے قوت سماعت میں عافیت عطا فرما، اے اللہ مجھے قوت بینائی میں عافیت عطا فرما، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔‘‘

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (۳ بار)

’’اے اللہ! میں کفر سے اور فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔‘‘

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جواب میں) فرمایا:

نعم یابنی انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یدعو بھن فانا احب ان استن بسنتہ۔

''ہاں بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ دعائیں مانگتے سنا ہے لہٰذا مجھے یہ پسند ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کروں۔'' (الجامع الصحیح للسنن والمسانید، السنن الکبریٰ للنسائی، عمل الیوم واللیۃ للنسائی)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کلمات کی وصیت فرمائی اور دن اور رات میں انہیں پڑھنے کی ترغیب دی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ صِحَّۃً فِیۡ اِیۡمَانٍ وَ اِیۡمَانًا فِیۡ حُسۡنِ خُلُقٍ وَ نَجَاحًا یَتۡبَعُہٗ فَلَاحٌ وَّ رَحۡمَۃً مِّنۡکَ وَ عَافِیَۃً وَ مَغۡفِرَۃً مِّنۡکَ وَ رِضۡوَانًا۔ (ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ، المستدرک للحاکم، السنن الکبریٰ للنسائی، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی)۔

''اے اللہ! میں آپ سے ایمان کے ساتھ صحت کا اور حسن اخلاق کے ساتھ ایمان کا اور ایسی کامیابی کا سوال کرتا ہوں جس کے پیچھے (دین و دنیا) کی فلاح عطا ہو، اور آپ کی رحمت، آپ کی عافیت، آپ کی مغفرت اور رضا و خوشنودی کا سوال کرتا ہوں''۔

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا سے نکل کر یہ دعا پڑھتے تھے: **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَذۡھَبَ عَنِّی الۡاَذٰی وَ عَافَانِیۡ۔**

(عمل الیوم واللیۃ للنسائی وابن السنی، سنن ابن ماجہ)

''تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کی اور مجھے عافیت بخشی۔''

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو (دوسری دعاؤں کے ساتھ) یہ دعا (بھی) دس بار پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ اھۡدِنِیۡ وَ ارۡزُقۡنِیۡ وَ عَافِنِیۡ۔ (نسائی، ابن ابی شیبہ)

اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجئے، مجھے ہدایت دیجئے مجھے رزق عطا فرمائیے اور مجھے عافیت عطا کیجیے۔

(۶) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پہلے گذر چکی کہ اذان و اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء عافیت مانگنے کی ترغیب دی، (ترمذی، نسائی ابن خزیمہ، ابن حبان)

لہٰذا اس دوران ہر مسلمان کو یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡعَفۡوَ وَ الۡعَافِیَۃَ وَ الۡمُعَافَاۃَ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ۔

’’اے اللہ! میں آپ سے دنیا و آخرت کی معافی عافیت اور معافاۃ (مخلوق کے شر سے حفاظت) مانگتا ہوں۔‘‘

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان فرماتے:

اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ۔ (ابوداود، ترمذی، حاکم)

’’اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجیے، مجھ پر رحم کیجئے، مجھے عافیت عطا کیجئے، مجھے ہدایت دیجیے۔ مجھے رزق عطا کیجئے، میری بگڑی بنا دیجئے اور مجھے رفعت (وترقی) عطا کیجئے۔‘‘

(۸) حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھائے کہ انہیں قنوت وتر میں پڑھتا رہوں جب رکوع سے اپنا سر اٹھاؤں اور صرف سجدہ باقی رہ جائے (تو قومہ میں پڑھوں)

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَاقَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَایُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَایَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ۔ (محمد) (اھل السنن، ابن حبان، حاکم، ابن ابی شیبہ)

’’اے اللہ مجھے ہدایت دیجیے ان لوگوں میں جن کو آپ نے ہدایت دی اور مجھے عافیت عطا کیجیے ان لوگوں میں جن کو آپ نے عافیت عطا کی اور میری کارسازی کیجئے ان لوگوں میں جن کی آپ نے کارسازی کی اور جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں برکت دیجئے اور اس چیز کے شر سے مجھے بچا لیجئے جس کا آپ نے فیصلہ فرمایا ہے، بے شک آپ کا حکم سب پر چلتا ہے اور آپ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بے شک وہ شخص کبھی ذلیل نہیں ہوتا جس کے آپ والی (و مددگار) بن گئے اور وہ شخص کبھی عزت نہیں پاتا جسے آپ نے دشمن قرار دیا، آپ ہی برکت والے ہیں اے ہمارے پروردگار! اور آپ بلند و برتر ہیں، ہم آپ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور آپ کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمت بھیج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔‘‘

(۹) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

من رای صاحب بلاء فقال: اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ... الا عوفی من ذالک البلاء کائنا ما کان ما عاش۔ (ترمذی وغیرہ)

جو شخص کسی مصیبت زدہ شخص کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے: الحمدللہ الذی عافانی ......اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس

آزمائش سے عافیت وسلامتی میں رکھا جس میں تجھے مبتلا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر مجھے فوقیت دی۔''......تو اللہ تعالیٰ اسے تاحیات اس مصیبت سے عافیت میں رکھیں گے خواہ کیسی ہی مصیبت ہو۔

(۱۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مرضت فاتی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وانا اقول اللھم ان کان اجلی قد حضر فارحنی وان کان متاخرا فارفعنی وان کان البلاء فصیرنی فقال ماقلت فاعدت فقال رسول اللّٰہ اَللّٰھُمَّ اشْفِہٖ اللّٰھُمَّ عَافِہٖ، قال قم فقمت فما عاد فی ذلک الوجوع بعدہ۔ (ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ، المستدرک للحاکم وغیرہ)

میں (ایک مرتبہ) بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں کہہ رہا تھا:

اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آچکا ہے تو مجھے راحت دیجئے تندرستی عطا کیجئے اور اگر یہ آزمائش ہے تو مجھے صبر کی توفیق دیجئے'' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے کیا کہا؟ میں نے (ان کلمات کا) اعادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:...... **اللّٰھم اشفہ اللّٰھم عافہ**

(اے اللہ! انہیں شفاء دیجئے، اے اللہ! انہیں عافیت عطا کیجئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ارشاد فرمایا کھڑے ہوجاؤ تو میں کھڑا ہوگیا، اس کے بعد یہ تکلیف مجھے دوبارہ نہیں ہوئی۔''

(۱۱) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عادنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وانا علیل فقال یا سلمان شفی اللّٰہ سقمک وغفر ذنبک وعافاک فی دینک وجسمک الی مدۃ اجلک۔ (حاکم باسناد جید)

''میری عیادت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ میں علیل تھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اے سلمان! شفی اللہ سقمک ......اللہ تعالیٰ آپ کو بیماری سے شفایاب فرمائے، آپ کے گناہ بخش دے اور آپ کو دین میں اور بدن میں تاحیات عافیت نصیب فرمائے۔''

(۱۲) حضرت ابو مالک اشجعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا، جب کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے رب سے کن الفاظ میں دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قل اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ ویجمع اصابعہ الا الابھام فان ھٰولاء تجمع لک دنیاک وآخرتک۔ (مسلم)

''کہو! اللھم اغفر لی ......اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجیے اور مجھ پر رحم کیجیے اور مجھے عافیت عطا کیجیے اور مجھے رزق مرحمت فرمائیے، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے کے سوا چاروں انگلیاں جمع فرما کر ارشاد فرمایا یہ کلمات تمہاری دنیا وآخرت کی بھلائی کے لیے جامع ہیں۔''

(۱۳) حضرت ابو مالک ہی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

كان الرجل اذا اسلم علمه النبی صلی اللہ علیه وسلم الصلوٰة ثم امره ان يدعو بهؤلاء الكلمات: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔

''جب کوئی شخص اسلام لاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے نماز سکھاتے پھر اسے حکم فرماتے کہ ان کلمات کے ذریعے دعا کرے اللھم اغفر لی......اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے اور مجھے ہدایت دے دیجئے اور مجھے عافیت عطا کیجئے اور مجھے رزق مرحمت فرمائیے۔''

(۱۴) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

كان النبی صلی اللہ علیه وسلم يعلمهم اذا خرجوا الى المقابر ان يقول قائلهم: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ (مسلم)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو تعلیم فرماتے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہنے والا یوں کہے:

السلام علیکم اھل الدیار......اس بستی کے رہنے والے مومنو! تم پر سلام ہو، ہم بھی ان شاء اللہ عنقریب تم سے ملنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔''

(۱۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں ایک دعا یہ بھی تھی: **اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔ (مسلم، ابو داؤد، نسائی)**

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں آپ کی نعمت کے چلے جانے سے اور آپ کی عطا کی ہوئی عافیت کے پلٹ جانے سے اور آپ کی ناگہانی پکڑ سے اور آپ کی تمام تر ناراضیوں سے۔''

عافیت کی جامع ترین دعا:

(۱۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

لم يكن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يدع هؤلاء الدعوات حين يصبح وحين يمسی:

اللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ، اللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَأَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ اَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ۔

(احمد، ابوداود، ابن ماجہ، نسائی فی السنن وفی عمل الیوم واللیلۃ، ابن ابی شیبہ، عبدبن حمید، ابن السنی، طبرانی فی الکبیر وفی الدعاء، والبیھقی فی الاسماء والصفات، وصححہ ابن حبان والحاکم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام ان دعائیہ کلمات کا ناغہ نہ فرماتے تھے اللھم انی اسا لک۔اے اللہ! میں آپ سے دنیا وآخرت کی عافیت سوال کرتا ہوں، اے اللہ میں آپ سے اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کے معاملے میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میری پردے کی چیزوں کو پردے میں رکھیے۔ اور گھبراہٹ کی باتوں سے مجھے امن میں رکھیے، اے اللہ! میرے آگے اور میرے پیچھے، میرے دائیں اور میرے بائیں اور اوپر سے میری حفاظت فرمایئے اور اس بات سے آپ کی عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ اپنے نیچے ناگہاں ہلاک کر دیا جاؤں۔‘‘

یہ عافیت کی دعاؤں میں جامع ترین دعا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ودنیا، جسم وجان، اہل وعیال، مال ومتاع، غرض سب چیزوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کی ہے، اس دعا کی اہمیت کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح وشام کبھی اس کا ناغہ گوارا نہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک معمول تادم آخر جاری رہا، چنانچہ دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

سمعت رسول اللہ ویقول فی دعائہ حین یمسی وحین یصبح لم یدعہ حتی فارق الدنیا و حتی مات۔ (عبد بن حمید، ابن ابی شیبہ)

’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے الفاظ سنے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام کرتے یا صبح کرتے (یہ دعا مانگتے) دنیا سے رخصتی یا یوم وصال تک اس کا ناغہ نہ فرمایا۔‘‘

اس لیے بلا امتیاز مرد وزن ہر مسلمان کو چاہئے کہ عافیت کی اس مستند اور جامع ترین دعا کو حرز جان بنا لے اور کثرت سے اسے پڑھتا رہے، بالخصوص صبح وشام پڑھنے کا کبھی ناغہ نہ کرے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

وصل اللّٰھم وبارک وسلم علی عبدک ورسولک محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت

مولانا بدرالحسن القاسمی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بڑے شرف وسعادت کی بات ہے۔حدیث میں ہے کہ:

من رآني في المنام فسيراني في اليقظة ولا يتمثل الشيطان بي۔

امام بخاری فرماتے ہیں: **قال ابن سيرين اذا رآه في صورته۔**

بعض صالحین نے بیداری کی حالت میں بھی آپ کی زیارت کا دعوی کیا ہے۔امام غزالی، حافظ جلال الدین السیوطی ،ابن مندہ ،اصفہانی وغیرہ اس کے قائل ہیں۔علامہ جلال الدین السیوطی نے **تنویر الحلک فی امکان رؤية النبي والملك** کے نام سے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے جو انکے مجموعہ رسائل **الحاوی فی الفتاوی** میں شامل ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ خواب میں آپ کو دیکھنے کی گارنٹی ہے کہ شیطان آپ کی شکل میں ظاہر نہیں ہوسکتا، لیکن بیداری میں اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔اس لیے وہ آپ جیسی شکل میں ظاہر ہوسکتا ہے۔

دوسرے علماء علامہ ابن تیمیہ کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے ، حافظ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ میں نے ۲۲ سے زیادہ مرتبہ بیداری کی حالت میں آپ کی زیارت کی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ''ہدایت محض'' ہے، اس لیے شیطان جو ''ضلالت محض'' ہے وہ آپ کی صورت نہ خواب میں اختیار بنا سکتا ہے اور نہ بیداری کی حالت میں۔ اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس شیطانی تصرف سے محفوظ فرما دیا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ **من رآنی فی المنام فقد رآنی** یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔

امام بخاری نے یہاں ابن سیرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **اذا رآہ فی صورتہ** یعنی یہ ضمانت اس صورت میں ہے کہ جب آپ کو اصلی شکل میں دیکھے۔اس کی بنیاد یہ بتائی جاتی ہے کہ حضور کے وصال کے بعد کوئی آپ کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو اس سے آپ کا حلیہ پوچھا جاتا تھا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا۔حکیم ترمذی صاحب 'نوادر الاصول' کی یہی رائے ہے اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔اس کے برخلاف امام مازری، امام نووی اور محقق ابن ابی جمرہ کی رائے یہ ہے کہ جس شکل میں بھی کوئی آپ کو دیکھے اس نے آپ کی ہی زیارت کی۔حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی رائے بھی یہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسری شکل میں دیکھنا دراصل تنبیہ کیلئے ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کے عمل میں کوتاہی اور اس میں کوئی نقص ہے اسی لئے کسی دوسری شکل میں زیارت ہوئی۔اب یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ خواب میں اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے کسی کام کے کرنے کا حکم دے رہے ہیں تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟اس کے بارے میں امام ابواسحاق اسفرائینی کی رائے یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا دیکھنے والے کیلئے واجب ہے،لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس پر عمل کرنا واجب اور لازم نہیں ہے ابن بدران کا کہنا یہ ہے کہ اصل اعتبار شریعت کا ہے خواب کا نہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر خواب شریعت کے حکم کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائیگا ورنہ نہیں۔اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک شخص نے سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام کے زمانہ میں خواب میں دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں کہ فلاں جگہ خزانہ مدفون ہے اسے نکال لو اس میں تم پر خمس واجب نہیں ہوگا۔سلطان العلماء نے دیگر علماء کے برخلاف فرمایا کہ تمہارے خواب کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک صحیح حدیث کی ہے لیکن بیداری کی حدیث جو صحیح بخاری ومسلم میں ہے وفی الرکاز الخمس وہ تمہارے خواب سے زیادہ قابل اعتماد ہے لہٰذا تم پر خمس ادا کرنا واجب ہوگا۔

سلطان العلماء بلند پایہ عالم تھے انکے علم وتقوی اور حق گوئی اور شجاعت کا انکے معاصرین نے دل کھول کر اعتراف کیا ہے۔انہوں نے ایک بار خواب میں کسی بزرگ کو دیکھا کہ وہ دریافت کر رہے ہیں کہ تم کو علم چاہیے یا عزت وشہرت؟انہوں نے کہا کہ علم!۔

انہوں نے اپنی تعلیم کے آغاز میں پہلے ابواسحاق شیرازی کی کتاب التنبیہ حفظ کی تھی پھر اللہ نے ان کو اتنا علم عطا کیا کہ وہ سلطان العلماء کہلائے۔اپنی شہرت کے زمانہ میں وہ جب مصر آئے تو مشہور محدث حافظ المنذری نے ان کو دیکھ کر فتویٰ دینا ترک کر دیا کہ یہ سلطان العلماء کا حق ہے اور انہوں نے بھی حافظ المنذری کے احترام میں حدیث بیان کرنا ترک کر دیا کہ یہ حافظ حدیث امام المنذری کا حق ہے۔

محدث جلیل مولانا محمد یونس صاحب نے اس سلسلہ میں سماع کے جواز وعدم جواز کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء اور انکے معاصر عالم قاضی ضیاء الدین سنامی کے درمیان ہونے والے مکالمے اور خواب کی زیارت کے ذریعہ اپنے اپنے موقف کی تائید کا بہت دلچسپ انداز سے ذکر کیا ہے۔خواب میں زیارت کے بارے میں ایک واقعہ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ مشہور محدث اور حافظ حدیث بقی بن مخلد نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دودھ پلایا ہے صبح ہوئی تو انہوں نے خواب کی تصدیق کیلئے قے کر کے نکالا تو واقعی دودھ نکلا۔

شیخ اکبر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے غلطی کی، کیونکہ دودھ کی تعبیر علم سے کی جاتی ہے اور انہوں نے قے کر کے وہ سارا علم پھینک دیا، انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دودھ کی تعبیر بلا شبہ علم سے کی جاتی ہے لیکن وہ ظاہری نہیں معنوی چیز ہے۔ قے کرنے سے ان کا علم ضائع نہیں ہوا بلکہ ان کا فیض آج بھی جاری اور ان کا علم محفوظ ہے۔ بقی بن مخلد کی تیس ہزار احادیث پر مشتمل مسند آج بھی ان کے علم و فضل پر شاہد عدل ہے۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی زیارت کا اعتبار کیا جائے گا جس میں آپ کو اصل حلیے میں دیکھا گیا ہو اور اگر کسی نے بچپن جوانی یا بڑھاپے کی کسی حالت میں دیکھا ہو تو پھر آپ کی اسی صورت کا اعتبار ہوگا جو آپ کے بچپن جوانی یا بڑھاپے کی عمر کے حقیقی حلیے کے مطابق ہو اور اگر ذرا بھی فرق ہوا تو پھر آپکی زیارت نہیں سمجھی جائے گی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: اشرب الخمر! یہ شیخ علی المتقي کا زمانہ تھا جو علامہ محمد طاہر الفتنی کے استاذ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا لاتشرب الخمر (شراب مت پیو) لیکن شیطان نے تمہیں مغالطے میں ڈال دیا کہ تم شراب پیو۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ نے تعریضاً فرمایا ہوگا کہ شراب پیتے ہو؟ اچھا پیو خوب پیو۔

اس میں آپ کا مقصد شراب پینے سے اس شخص کو روکنا اور منع کرنا تھا لیکن اس نے غلط سمجھ لیا اور تعریض کا کام کبھی کلام سے لیا جاتا ہے اور کبھی حرکت اور اشارہ سے جو قرائن سے سمجھا جاتا ہے۔ ایک شخص نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انگریزی ہیٹ پہنے دیکھا تو اسکی تعبیر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا اس خواب میں ملک میں عیسائیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔

خواب کی تعبیر ایک پیچیدہ اور نازک فن ہے ہر کسی کو اس سے مناسبت نہیں ہوتی اس لیے ہر کسی سے خواب کی تعبیر معلوم نہیں کرنی چاہیے خواب وہی صحیح اور معتبر سمجھا جائے گا جو شریعت کے احکام کے مطابق ہو لہٰذا دین کی تعلیمات کا وہ حصہ جو بیداری کی حالت میں ثابت شدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے اس کو کسی عامی یا بزرگ کے خواب کی بنا پر ترک نہیں جا سکتا اور قاعدہ یہی رہے گا کہ ماثبت عنه یقظة لا یترك بمار ئي مناما۔

ایک اور واقعہ مولانا محمد مظہر صدیقی سہارنپوری یا مولانا عبدالعلی صاحب کا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نجیب آباد ریلوے اسٹیشن پر ٹرین سے اترے ہیں ہیٹ سر پر رکھا ہوا ہے اور کوٹ پتلون میں ملبوس ہیں ڈاڑھی مونچھ بھی صاف ہے۔ اس وضع میں آپ کو دیکھ کر سخت پریشان

ہوئے اوراپنا خواب مولانا عبدالرب دہلوی سے بیان کیا جوخوابوں کی تعبیر میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔انہوں نے خواب کی تعبیر یہ بتلائی کہ انگریز ابھی دیر تک اس ملک پر قابض رہے گا، چنانچہ اس خواب کے تقریبا نوے سال بعد تک انگریزوں کا اس ملک پر قبضہ رہا(مقالات سواتی ص49)

ملاعلی القاری نے جمع الوسائل میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایک دن امہات المؤمنین میں سے کسی کے گھر گئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ نکالا جوان کے پاس محفوظ تھا،عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آئینہ دیکھا تو اس میں اپنی صورت کی بجائے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت نظر آئی۔معلوم نہیں یہ آپ کا معجزہ تھا یا حضرت ابن عباس کی کرامت تھی، شیخ عبدالوہاب الشعرانی فرماتے ہیں کہ انہوں نہ صرف یہ کہ بیداری کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے بلکہ اپنے آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ کے سامنے صحیح بخاری کی قراءت بھی کی ہے۔انہوں نے اپنے ان رفقاء کے نام بھی لکھے ہیں اور ان میں سے ایک کے حنفی ہونے کی بھی صراحت کی ہے۔انہوں نے وہ دعاء بھی لکھی ہے جو ختم بخاری کے وقت کی تھی۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے ۲۲ سے زیادہ مرتبہ بیداری کی حالت میں زیارت کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث کے بارے میں نے استفسار کے بعد انکی تصحیح کی ہے۔حافظ جلال الدین سیوطی کی زندگی بے حد احتیاط اور تقویٰ کی زندگی تھی۔

شیخ شاذلی نے اپنی کسی ضرورت کیلئے بادشاہ وقت سے سفارش کیلئے حافظ جلال الدین سیوطی سے کہا تو انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار ہا زیارت کی ہے اور میرے اندر سوائے اس کے اور کوئی خوبی نہیں ہے کہ میں بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا کرتا مجھے ڈر ہے کہ اگر میں تمہاری ضرورت کے لیے گیا تو اس نعمت سے محروم ہوجاوں گا،اس لیے تمہارے معمولی فائدے کے لیے اپنا اورامت کا اتنا بڑا نقصان میں نہیں کرسکتا (فیض الباری ج1ص292)

خواب کی حقیقت اوراسکے بارے میں اطباء فلاسفہ اوراکابر علمائے اہل سنت کی آراء اورصوفیاء کے کے احوال ومواجید کیلئے زیادہ تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے خواب کی تعبیر کی ایک الگ ہی دنیا ہے۔''شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا''اس کے لئے فرصت درکار ہے

قیاس اور اجتہاد فی النص

مولانا مفتی محمد مصعب قاسمی

اکابر دیو بند میں فقیہ النفس، ابوحنیفہ عصر حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت فقہی تصلب، قوتِ استنباط، معانی حدیث پر گہری نظر اور تعبیر کی پختگی میں نمایاں ہے، مضمون ذیل؛ سبیل الرشاد (مولفہ: حضرت گنگوہیؒ) سے ماخوذ ہے، جس میں قیاس کی حقیقت، اس کا صحیح محل اور متعارض ومحتمل نصوص کے تعلق سے صحابہ کرامؓ اور فقہاء کے محتاط اور قابل اتباع منہج پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، بالخصوص عللِ نصوص کے ادراک میں فقہائے محدثین کی فہم وبصیرت، طرقِ استدلال اور فقہی جزئیات میں اختلافات کے بنیادی اسباب پر بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے، یہ مضمون دین کی تعبیر وتشریح میں ما أنا علیہ وأصحابہ کی اتباع وپیروی پر ایک راہ نما کی حیثیت رکھتا ہے۔ (مصعب)

قرآن وحدیث کی صریح نص کے مقابلے قیاس کرنا اور اپنی رائے کو ترجیح دینا ناجائز ہے، یہ اہل علم کا متفقہ مسلمہ ہے؛ بلکہ کوئی ادنیٰ مومن بھی اس کو جائز نہیں کہہ سکتا چہ جائے کہ کوئی عالم، فقیہ یا مجتہد ایسا کہے یا کرے (معاذ اللہ) لیکن اس کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے اور اس کا صحیح مصداق بھی واضح رہنا چاہیے؛ اس لیے کہ ایک طبقہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اس مسئلے کو بنیاد بنا کر فقہائے احناف پر اعتراض کرتا ہے اور امت کے مقبول بندوں پر طعن و تشنیع کر کے خود گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نص کے مقابلے قیاس کرنے کی حقیقت:

نص کے مقابلے قیاس کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ جو حکم کسی نص (قرآن وحدیث) سے ثابت ہے، اس کے مقابلے اور مخالفت میں اپنی رائے واجتہاد سے ایسا حکم ثابت کیا جائے جو منصوص حکم کے بالکل خلاف ہو، کوئی نص صریح یا خفی اس کے موافق نہ ہو؛ بلکہ وہ حکم ساری نصوص شرعیہ کے مخالف ہو، یعنی: محض قیاس کے ذریعے امر منصوص کو رد کر دیا جائے اور قیاس فاسد سے کوئی امر نکال کر حکم شریعت کا مقابل ومعارض بنا دیا جائے، تو ایسا قیاس فاسد اور باطل ہے، جس کا ارتکاب قطعاً حرام ہے۔

قیاس فاسد کی مثال:

قیاس فاسد کی مثال یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم فرمایا تھا اور یہ حکم بالکل واضح اور صاف تھا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ جن؛ آگ سے بنی ہوئی مخلوق ہے اور ملائکہ؛ نوری ہیں اور آدم؛ مٹی سے بنے ہوئے ہیں، اس علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو سجدہ کا حکم فرمایا؛ مگر اس شیطان پلید

نے قیاس فاسد سے کام لیا اور باطل اجتہاد کر کے کہا کہ آگ اعلیٰ اور افضل ہے، آگ سے بنی ہوئی مخلوق مٹی کے سامنے کیسے سجدہ کر سکتی ہے؟ اس نے اللہ تعالیٰ کے صریح اور واضح حکم کے مقابلے قیاس کیا، اسی طرح کا قیاس؛ فاسد ہے اور ایسا قیاس کرنے والا شیطان کا اتباع کرنے والا ہے، مشہور مقولہ ہے: أول من قاس ابلیس صریح نص کے خلاف قیاس فاسد سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مطلق قیاس کو فاسد کہنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ جو قیاس صریح نص کے خلاف ہو، اس کو فاسد کہا جائے گا؛ مگر ایک طبقہ بزعم خود مطلق قیاس کو اگر چہ وہ صحیح ہو، ابلیس کا فعل قرار دیتا ہے اور حضراتِ صحابۂ کرامؓ سے لے کر آج تک جن مجتہدین امت نے صحیح قیاس کیا، سب کو گمراہ گردانتا ہے اور شیطان کا متبع مانتا ہے۔ (معاذ اللہ)

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ اہل علم واقف ہیں کہ مقابل؛ ضد شیء کو کہتے ہیں، پس نص کا مقابل وہی قیاس کہلائے گا جو کسی نص کے موافق نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی قیاس ایک نص کے مقابل ہو اور دوسرے نص کے موافق ہو، تو اس کو نص کا مقابل قطعاً نہیں کہا جا سکتا، بعض نصوص اور احادیث میں تعارض کی وجہ سے ایسا قیاس اور اجتہاد صحابۂ کرامؓ کے دور سے آج تک مجتہدین سے بکثرت ثابت ہے، پس اگر ایک طبقہ مطلق قیاس کو گمراہی قرار دے گا، تو گویا اس کے نزدیک تمام امت گمراہ ہوئی، حالانکہ فرمان نبوی ہے: لاتجتمع امتی علی الضلالۃ، میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

محل نص میں قیاس درست نہ ہونے کا مطلب:

اگر کسی واقعہ میں شرعی حکم کی ضرورت ہوتی ہے، تو اگر کوئی صریح آیت یا حدیث موجود ہوتی ہے، جس میں دوسرے معنی کا احتمال نہیں ہوتا اور وہ کسی دوسری حدیث کے معارض بھی نہیں ہوتی اور نہ منسوخ ہوتی، تو ایسے موقع پر کوئی قیاس کا قائل نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہاں قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہے، محل نص میں قیاس درست نہ ہونے کا یہی مطلب ہے، اس لیے کہ جب خود شارع کا حکم موجود ہے، تو اب کسی کے قیاس کی کیا ضرورت؟ کیونکہ اگر صریح نص کے ہوتے ہوئے قیاس کر کے نص کے مقابل دوسرا حکم ثابت کیا جائے گا، تو یہ حرام مانا جائے گا اور اگر قیاس سے وہی حکم ثابت ہو جو نص سے ثابت ہے، تو یہ لاحاصل ہوگا۔

علت نص کا ادراک اور قیاس میں فرق:

ہاں اگر کوئی غور وفکر سے یہ ثابت کرے کہ نص کا حکم عقل سلیم کے عین مطابق ہے، تو اس سے شرعی حکم کے تیقن یقین کو تقویت ملے گی اور حکم کو تسلیم کرنے میں خوب معاونت حاصل ہوگی؛ اس لیے کہ نص کا حکم مشاہدہ کے مانند

بالکل بدیہی بن جاتا ہے؛لیکن اس کو قیاس نہیں کہا جاتا،اس کو علت حکم کے ادراک سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو بالاتفاق درست ہے اور علم کا اعلی درجہ ہے۔

مثال: بول اور مذی کا نکلنا ناقض وضوء ہے اور منی کا خروج موجب غسل ہے، اب اگر کوئی یہاں اپنے قیاس فاسد سے خروج منی کو موجب غسل نہ کہے؛ بلکہ جو حکم بول اور مذی کا ہے، وہی حکم خروج کا ثابت کرے،تو نص کے خلاف قیاس کرنے کی بناء پر گمراہ ہوگا اور اگر کوئی اپنی قوت ذہنی اور تدبر سے بول اور منی میں فرق کی وجہ دریافت کرے، چاہے عقل سے یا دوسری نص سے،تو یہ گہرے علم کا نتیجہ سمجھا جائے گا،ایسے اجتہاد میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے؛ بلکہ باعث مدح ہے؛مگر خروج منی کی وجہ سے غسل کے حکم کو ثابت کرنے میں کوشش کرنا فضول ہے، یہ حکم تو نص سے بالکل ظاہر اور واضح ہے،اس کو ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک لاحاصل کام سمجھا جائے گا۔

تنبیہ: مذکورہ مثال سے محل نص میں قیاس کرنے کا مطلب بخوبی واضح ہوگیا؛لیکن ادراک علت کا علم ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ علم علمائے مجتہدین اور اولیاء کاملین کو حاصل ہوتا ہے اور اس کو نص کے مقابلے قیاس کرنے سے تعبیر نہیں کیا جاتا،خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک ہے حکم کی دلیل عقلی بیان کرنا اور دوسری چیز ہے نص کے مقابلے قیاس کرنا اور محل نص میں قیاس کرنا، اگر تدبر و تامل کو صحیح استعمال کیا جائے،تو دونوں میں بڑا فرق نظر آئے گا۔

اجتہاد کے مواقع: اگر کسی نص میں دو معنی کا احتمال ہو:

اگر کسی نص میں دو معنی کا احتمال ہو،ایک معنی حقیقی ہوں اور دوسرے مجازی یا ایک لفظ دو معنوں میں مشترک ہو، یا ظاہر الفاظ کے اعتبار سے ایک معنی کا احتمال ہو اور علت کے اعتبار سے نص دوسرے معنی کی محتمل ہو،الحاصل: اگر نص میں دو معنوں کا احتمال ہو،خواہ اس کا سبب اور بنیاد جو بھی ہو،ایسے مواقع پر مجتہد ایک معنی کو ترجیح دیتا ہے اور دوسری جہت کو متروک العمل قرار دیتا ہے،اس کو نص کے ایک معنی کو ترجیح دینا کہا جائے گا اور نص پر عمل کرنے ہی سے تعبیر کیا جائے گا، جو عین سنت ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ثابت ہے، ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ نص کے مقابلے قیاس کرنا ہے؛ حالانکہ یہ نص کے مقابل قیاس نہیں ہے؛ بلکہ عین نص پر عمل کرنا ہے جو سنت اور صحابۂ کرامؓ کے آثار سے ثابت ہے۔

نص کے ایک معنی کو اجتہاد سے ترجیح دینے کی دلیل:

بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ پر تشریف لے گئے تو یہ فرمایا:

لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة

(ترجمہ) ''کوئی عصر کی نماز ہرگز نہ پڑھے؛ مگر بنی قریظہ میں''، چنانچہ لشکر بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوا، جب غروبِ شمس کا وقت قریب آیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم کو بنوقریظہ سے پہلے نماز کا حکم نہیں ہوا؛ بلکہ آپ نے منع فرمایا ہے، لہٰذا اگرچہ نماز قضا ہوجائے؛ مگر ہم راستے میں نماز نہیں پڑھیں گے، چنانچہ وہ راستے میں نہ ٹھہرے اور بنوقریضہ پہنچ کر نماز پڑھی اور بعض صحابہؓ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی غرض جلدی جلدی چلنے اور جلدی پہنچنے کی تھی، اس لیے ہمیں نماز قضا نہیں کرنی چاہیے، انھوں نے راستے ہی میں نماز ادا کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے واقعے کی خبر ملی تو دونوں جماعت کو کچھ نہیں فرمایا؛ بلکہ سکوت اختیار فرما کر دونوں کی تقریر فرمائی۔

اس حدیث میں غور کیا جائے! ایک نص ہے، جس کے ظاہری اور حقیقی معنی یہ تھے کہ بنوقریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے، صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت نے اسی پر عمل کیا، اس لیے کہ لفظ کے حقیقی اور ظاہری معنی ہی اصل ہوتے ہیں؛ حالانکہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جان بوجھ کر نماز میں تاخیر کرنے اور قضاء کرنے سے منع فرما چکے تھے؛ مگر صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت نے اس دن شارع کے خاص حکم پر عمل کیا اور نماز کو موخر کردیا اور مصیب قرار پائے، انھوں نے یہ سمجھا کہ نماز قضاء کرنے کی ممانعت کے سلسلے میں جو صریح نصوص ہیں، آج کی عصر اس سے مستثنیٰ ہے۔ مذکورہ نص کے دوسرے معنی مجازی ہیں، یعنی راستے میں نماز پڑھنے کی ممانعت سے مقصد بنوقریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا، نماز کا فوت کرنا مقصد نہیں تھا جو نص کے حقیقی معنی تھے، صحابۂ کرامؓ کی دوسری جماعت نے ایک دینی ضابطے کی بناء پر اسی مجازی معنی کو ترجیح دی اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ قرآن میں نماز کو ''کتاباً موقوتاً'' کہا گیا ہے اور نماز چھوڑنے کو حرام فرمایا گیا ہے، یعنی: نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے، صحابہ کی دوسری جماعت نے اس کلیہ دین کو اصل قرار دے کر مذکورہ نص کو اس کے تابع کیا اور معنی مجازی کو ترجیح دے کر راستے میں نماز ادا فرمائی اور نص کی علت پر عمل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کا مقصد جلد پہنچنے کی ترغیب دینا تھا نہ کہ راستے میں نماز پڑھنے سے روکنا، یہ جماعت بھی مصیب ہوئی۔

اجتہاد في مراد النص اور قیاس میں فرق:

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام نے نصوص پر عمل کرنے کے تعلق سے جو طریقہ اور منہج اختیار فرمایا ہے، یعنی ظاہر نص پر عمل کرنا اور نص کی علت پر عمل کرنا اور ظاہر کو چھوڑنا؛ یہ سنت سے اور صحابۂ کرامؓ کے عمل سے ثابت اور مشروع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرزِ عمل کی تقریر فرما چکے ہیں، جو قیامت تک معمول بہ رہے گی اور مجتہدین کے یہاں دونوں طرح کا عمل موجود ہے، فروع اور جزئیات میں اختلاف کی بنیاد بھی یہی ہے، اس کو قیاس بمقابلہ

نص نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ ''اجتہاد فی مراد النص'' سے تعبیر کیا جائے گا، جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں؛ بلکہ یہ سنت سے ثابت ہے، اگر کوئی شخص اس پر طعن کرے، تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر طعن کے مترادف ہوگا۔

نص کے ایک معنی کو اجتہاد سے ترجیح دینے کی دوسری دلیل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ فلاں کو قتل کردو کہ اس پر زنا کی تہمت تھی، حضرت علیؓ اس کی تلاش میں نکلے، تو دیکھا کہ وہ کنویں میں نہا رہا ہے، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نکالا، تو معلوم ہوا کہ وہ مقطوع الذکر تھا، لہٰذا آپ نے قتل نہیں کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب فرمائی۔(اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح مسلم، رقم:، باب براءۃ حرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الریبۃ مع تکملۃ فتح الملہم :۶/ ۲۷، ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

اِس واقعے میں غور کیا جائے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم دیا تھا اور نص بھی بالکل صریح اور ظاہر تھی؛ اس کے باوجود جب حضرت علیؓ نے اس شخص میں قتل کی وجہ نہیں پائی جس کے بارے میں قتل کا حکم ملا تھا (کہ جو مقطوع الذکر ہو وہ زنا کیسے کرسکتا ہے؟) تو اس صریح نص پر عمل نہیں کیا اور حکم کی علت نہ پائے جانے کی وجہ سے توقف اختیار کیا اور مصیب ہوئے، یہیں سے شریعت کا یہ ضابطہ طے ہوگیا کہ اگر نص کی علت مرتفع ہوجائے تو اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے، مجتہدین نے اس واقعے سے یہی قاعدہ اخذ کرکے اس پر عمل کیا ہے، تو یہ نص کے مقابلے میں قیاس نہیں تھا؛ بلکہ نص ہی کے حکم پر عمل کرنا تھا کہ نص پر عمل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب تک علت موجود ہو، اگر علت رفع ہوجائے، تو پھر نص کے ظاہری الفاظ پر عمل نہیں ہوگا، یہ خود مقتضی نص ہے، کوئی معمولی سمجھ رکھنے والا اس کو ترک نص اور قیاس بمقابلہ نص نہیں کہہ سکتا۔ مذکورہ تحقیق میں اگر گہرائی سے غور وفکر کیا جائے تو بہت سے اشکالات حل ہوجائیں گے اور خصوصاً احناف پر مخالفت نصوص کا الزام ہوا ہوجائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت علیؓ نے واجب العمل صریح نص کو اس بناء پر ترک کردیا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قتل کی علت کا علم تھا اور پھر اس علت کے مرتفع ہونے کا خود مشاہدہ کیا تھا اور ترک نص کی تصویب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی، اسی طرح ایک مجتہد نص کی علت کو دریافت کرتا ہے، کبھی اشارۃ النص سے، کبھی عبارۃ النص سے، کبھی دلالۃ النص سے اور کبھی شریعت کے کسی ضابطے اور کلیہ سے (جس کی تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں) بہرحال علت کی بنیاد جو بھی ہو، جب مجتہد کے سامنے علت کا مرتفع ہونا واضح ہوجاتا ہے، تو وہ ظاہر نص پر عمل نہیں کرتا ہے، ایسے موقع پر بعض ظاہر بین قسم کے افراد سمجھتے ہیں کہ مجتہد نے اپنی رائے پر عمل کیا اور نص کو چھوڑ دیا، یعنی نص کے مقابلے قیاس کیا؛ یہ بڑی غلط فہمی ہے، مجتہد نے ایک نص کا ترک دوسری نصوص کلیہ

کے حکم سے کیا ہے، اپنے قیاس فاسد سے نہیں، یہ عین نص پر عمل کرنا ہے، اس کو نص کا ترک کہنا صحیح نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذکورہ عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب حجۃ شرعیہ ہے، اگر کوئی شخص اس پر طعن کرتا ہے، تو وہ براہ راست شارع علیہ السلام پر طعن کرتا ہے، مجتہد اور مقلد دونوں عین حکم شرعی پر عمل کرنے والے ہیں، اس طرح کے عمل کو نص کا مقابل نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی عمل بالرائے سمجھنا چاہیے؛ بلکہ یہ نص ہی پر عمل کرنا ہے۔

اگر دو نص متعارض ہوں:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو نص متعارض ہو جاتی ہیں، تو ایسے موقع پر پانچ صورتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) مجتہد دونوں نص کو جمع کرتا ہے اور وجوہ جمع کے مقررہ قواعد و اصول اور تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں۔

(۲) اگر دونوں نصوص میں سے کسی نص کے بارے میں یقینی طور پر یا قرائن کے ذریعے ظن غالب کے درجے میں منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے، تو مجتہد ناسخ پر عمل کرتا ہے۔

(۳) اگر ثبوت کے اعتبار سے ایک نص قوی اور دوسری ضعیف ہوتی ہے، تو مجتہد قوی نص پر عمل کرتا ہے۔

(۴) اگر ایک نص کا راوی فقیہ ہوتا ہے اور دوسری نص کا غیر فقیہ، تو مجتہد فقیہ کی روایت کو ترجیح دیتا ہے۔

(۵) اگر ایک نص قواعد کلیہ شرعیہ کے موافق ہوتی ہے، تو مجتہد اس کو ترجیح دیتا ہے۔

ان تمام صورتوں میں نص کے مقابل قیاس پر عمل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ دونوں نص پر یا ایک نص پر عمل ہوتا ہے، لہٰذا اس کو بھی عمل بالرائے نہیں کہا جا سکتا اور نہ نص کے مقابلے قیاس سے تعبیر کیا جا سکتا، یہ نص ہی پر عمل کرنا ہے، یہ سب صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے اور مجتہدین فقہاء نے صحابہ ہی سے یہ اصول اخذ فرمائے ہیں۔

دو متعارض نص کے جمع کرنے کی دلیل:

کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قرآن میں دو آیت متعارض ہیں: ایک موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: **أقبل بعضهم على بعض يتسآءلون** اور دوسری جگہ ہے: **فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتسآءلون**، پہلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہرگز سوال نہیں ہوگا، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا سوال نہ ہونے کا تعلق نفخۂ اولیٰ سے ہے اور باہم سوال نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا، اس طرح دونوں آیتوں کو جمع کر دیا اور دونوں نص معمول بہ باقی رہیں، یہ بھی جمع کرنے کے من جملہ طریقوں میں ایک طریقہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ **الوضوء مما مست النار**، یعنی جو کھانا آگ سے پکا ہو، اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، نیا وضو کرنا چاہیے، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ گرم پانی سے وضو نہیں کرنا چاہیے،

یعنی: اگر مس نار نقض وضو کا سبب ہے، تو گرم پانی سے وضو درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ بھی آگ سے گرم کیا ہوا پانی ہے، اگر باوضو شخص گرم پانی کا استعمال کرے گا، تو وضوٹوٹ جائے گا، دیکھیے! حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو حضرت ابن عباسؓ نے رد کر دیا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ غلط روایت بیان فرما رہے تھے، ورنہ وہ جھوٹی روایت بیان کرنے کی وعید سے ڈراتے؛ بلکہ اس وجہ سے رد کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کے ظاہری الفاظ سے جو مطلب سمجھا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہیں ہے، یہاں وضو سے نظافت کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی وضو، پس فقہاء صحابہ کی روایت جس سے ترک وضو ثابت ہوتا ہے، معمول ہوئی، اس کے بہت سے نظائر مل سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کو رد کر دیا تھا، آپ فرماتی تھیں کہ مطلقہ ثلاثہ کو نفقہ اور سکنی نہیں ملتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم کتاب وسنت کو ایک عورت کے قول و روایت سے رد نہیں کر سکتے، اس کا کیا اطمینان کہ ان کو یاد رہا یا بھول گئیں اور حضرت عائشہؓ نے سکنی نہ دینے کی خاص وجہ بھی بیان فرمادی تھی جس کو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سمجھ نہ سکی تھیں۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ملنا روایت کرتے ہیں، تو حضرت عائشہ نے قرآن پاک کی آیت ولا تزر وازرۃ وزر اُخری تلاوت فرمائی اور دونوں کی بات کو رد فرمادیا، یہ آیت قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

غور کرنا چاہیے! حضرت عائشہؓ نے ایسے بڑے صحابہ کے اقوال کو قاعدہ شرعیہ کی بنیاد پر معتبر نہ رکھا؛ بلکہ اپنے تفقہ کا استعمال کر کے دونوں کو جمع فرمادیا، اس طرح کہ سماع کی روایت میں تاویل فرمائی اور معذب ہونے کو دوسری طرح بیان فرمایا، جس کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔ یہ سب صحابۂ کرامؓ کے معمولات ہیں، جن کو مجتہدین دین میں جاری کر گئے ہیں اور اسی کا نام تفقہ فی الدین ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: **من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین**، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہدین فقہاء کی فضیلت کا سبب اُن کا غور وفکر ہے۔

خلاصہ: فقہائے کرام کے اجتہادات قرآن وسنت سے ماخوذ اور شریعت اسلام کا حصہ ہیں، محتمل یا متعارض نصوص میں غور وتدبر کے بعد دونوں کو جمع کرنے یا ایک جہت کو راجح قرار دینے کو قیاس بمقابلہ نص سے تعبیر کرنا اور فقہائے محدثین کے ایسے اجتہادات کو نصوص کا مقابل بنا کر پیش کرنا اور مجتہدین امت کو تارک نص قرار دینا ضلالت اور گمراہی ہے، یہ اجتہادات فقہائے کرام کے تفقہ فی النصوص اور کمال علم کی دلیل ہیں۔

سنن نسائی کا جامع تعارف

مولانا مفتی محمد طارق محمود
مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

سنن نسائی حدیث کی چھے بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے۔جنھیں اصول ستہ اور صحاح ستہ بھی کہا جاتا ہے۔ سنن نسائی چونکہ درس نظامی کے نصاب میں داخل ہے اور بقول مولانا محمد زکریا کاندھلوی (م ۱۴۰۲ھ) **أدق كتب الحديث** (حدیث کی پیچیدہ ترین کتاب) ہے۔(الفیض السمائی: ۱؍۵۷) نیز چند سالوں سے بندہ کو اس کا کچھ حصہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہے۔اس بنا پر کتاب کے منہج اور خصوصیات وغیرہ کی تفصیل پر مشتمل ایک تعارفی مضمون کی ضرورت تھی تا کہ اسے بہتر طور پر سمجھا سمجھایا جا سکے۔ چنانچہ زیر نظر مضمون درج ذیل عنوانات میں منقسم ہے:

۱: حالات مصنف ۲: کتاب کا نام ۳: وجہ تالیف ۴: کتب ستہ میں سنن نسائی کا درجہ ۵: کتاب کی احادیث کا درجہ ۶: اخذ حدیث کی شرط ۷: تراجم ابواب اور تکرار احادیث ۸: **قال أبو عبد الرحمن** ۹: متفرق خصوصیات ۱۰: کتاب کے نسخے اور طبعات ۱۱: شروح وحواشی

۱: حالات مصنف: نام: ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی۔نسائی نسا شہر کی طرف منسوب ہے۔یہ لفظ نون کے فتحہ کے ساتھ اشہر ہے اور عصا کی طرح ہے۔نسا پہلے خراسان کا حصہ تھا، اب ترکمانستان میں ہے۔**زمانہ:** ۲۱۵ - ۳۰۳ھ۔**حلیہ:** بڑے حسین وجمیل تھے۔سرخ وسفید رنگت والے تھے۔بڑھاپے میں بھی خوبروئی باقی تھی۔خوش پوشاک اور خوش خوراک بھی تھے۔مرغ بکثرت کھاتے تھے، جو ان کے لیے خرید کر پالے جاتے تھے۔

علمی جلالت: حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کہتے ہیں: **رحل الى الآفاق واشتغل بسماع الحديث والاجتماع بالأئمة الحذاق۔** اطراف عالم تک سفر کیا اور حدیث سننے اور ماہرین ائمہ سے استفادے میں مشغول ہوئے۔حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں: **سمع من خلائق لايحصون۔۔۔(وروى عنه) أمم لايحصون۔** ان کے اساتذہ اور تلامذہ بے شمار ہیں۔تیسری صدی ہجری جو تدوین حدیث کا سنہرا دور ہے، اس میں علمی اسفار کی کثرت، اساتذہ اور تلامذہ کا زیادہ ہونا علمی کمال کی خاص پہچان ہے۔اب دیکھیے اس محنت کے نتیجے میں امام نسائی کس پائے کے محدث بنے۔

حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کہتے ہیں: **لم يكن في رأس الثلاث مائة أحفظ من النسائي وهو أحذق**

بالحديث وعلله ورجاله من مسلم ومن أبي داود ومن أبي عيسى وهو جار في مضمار البخاري وأبي زرعة۔ تیسری صدی کے اختتام پر نسائی سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا اور وہ حدیث، علل اور رجال میں مسلم، ابوداؤد، اور ابوعیسی (ترمذی) سے زیادہ ماہر ہیں اور بخاری وابوزرعہ کے ہم پلہ ہیں۔

عملی کمال: ابن مظفر (م۳۷۹ھ) کہتے ہیں: **سمعت مشائخنا بمصر يعترفون له بالتقدم والامامة ويصفون من اجتهاده في العبادة بالليل والنهار ومواظبته على الحج والجهاد۔** میں نے اپنے مشائخ سے مصر میں سنا کہ وہ امام نسائی کی برتری اور امامت کے معترف ہیں اور ان کی دن رات میں عبادت کی محنت، اور حج اور جہاد کی پابندی کی تعریف کرتے ہیں۔**تصانیف: السنن الكبرى، السنن الصغرى، مسند علي، خصائص علي، عمل يوم وليلة، التفسير، الضعفاء،** وغیرہ۔ان میں سے تیسری اور چوتھی کتاب سنن کبری میں شامل ہے۔**دار التأصيل** کے نسخے کے مقدمے میں امام نسائی کی ۳۵ تصانیف کا ذکر ہے۔

فقہی مذہب: امام نسائی حنبلی یا شافعی ہیں، تاہم جمہور محدثین کی تقلید صرف دقیق اور غامض فروع میں ہوتی ہے، عامی کی تقلید کی طرح نہیں ہوتی۔ (مأخذ: سیر أعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۲۵- ۱۳۳ ،الفیض السمائی: ۱/ ۴، ۲۳،البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۱۲۳،تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۶، ۳۷،معارف السنن: ۲/ ۵۵، ۵۶، بزیادۃ) نیز دیکھیے: کیاامام نسائی تشیع سے متأثر تھے؟ مولانا محمد اسماعیل ریحان، الفیض السمائی: ۱/ ۱۶، ۱۷

۲: کتاب کا نام: المجتبی ہے، اور المجتنی نون کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔(الفیض السمائی: ۱/ ۲۴،سنن نسائی: ۱/ ۳۷، دار التأصیل) سنن صغری اور سنن نسائی کے نام سے معروف ہے۔کتب حدیث کی انواع میں سے اس کا تعلق سنن کے ساتھ ہے۔کیونکہ اس میں مرفوع احادیث فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع کی گئی ہیں۔

۳: وجہ تالیف: حافظ ابن اثیر جزری (م۶۰۶ھ) کہتے ہیں: **وسأل بعض الأمراء أباعبد الرحمن عن كتابه السنن أ كله صحيح ؟ فقال لا۔قال: فاكتب لنا الصحيح منه مجردا۔ فصنع المجتبى فهو المجتبى من السنن، ترك كل حديث أورده في السنن مما تكلم في اسناده بالتعليل۔** (جامع الاصول: ۱/ ۱۹۷) بعض امراء نے امام نسائی سے ان کی کتاب سنن (کبری) کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں؟ آپ نے کہا نہیں۔اس نے کہا اس میں سے صحیح حدیثیں الگ کردیں۔اس پر مجتبی لکھی پس یہ سنن (کبری) سے منتخب ہے۔اس میں وہ حدیثیں چھوڑ دی ہیں جن کی سند کو سنن (کبری) میں ضعیف قرار دیا تھا۔

پھر مجتبی کا انتخاب خود امام نسائی نے کیا ہے راجح اور مشہور قول کے مطابق۔بعض کے ہاں یہ انتخاب امام نسائی کے تلمیذ حافظ ابوبکر احمد بن محمد معروف بہ ابن السنّی (م۳۶۴ھ) کا ہے۔محدثین کی اصطلاح میں رواہ النسائی مطلقا

بولا جائے تو اس سے یہی کتاب مراد ہوتی ہے۔اسی طرح کتب خمسہ اور اصول خمسہ کی اصطلاح میں بھی یہی مجتبیٰ شامل ہے۔البتہ بعض محدثین جیسے مزی نے تہذیب الکمال اور منذری نے الترغیب والترہیب اور مختصر سنن ابی داؤد میں سنن کبریٰ مراد لی ہے۔ابن السنی سین کے ضمہ اور نون کی تشدید کے ساتھ سنت کی طرف منسوب ہے۔(الفیض السمائی:۱/ ۴۰- ۴۲ملخصا، ۵۵)

پھر مجتبیٰ میں سنن کا صرف اختصار ہی نہیں بلکہ بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو سنن کبریٰ میں نہیں ہیں۔مثلا کتاب القسامۃ میں عنوان ہے: **ما جاء في كتاب القصاص من المجتبى مما ليس في السنن**۔(مأخذہ: مصدر سابق :۱/ ۴۶) مجتبیٰ کی کتاب القصاص جو سنن (کبریٰ) میں نہیں۔

۴: کتب ستہ میں سنن نسائی کا درجہ: سنن نسائی قوت سند کے لحاظ سے مجموعی طور پر کتب ستہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد تیسرے درجے پر ہے۔(ماخذہ: النکت لابن حجر:۱/ ۴۸۴) اور تراجم ابواب کی دقت کے لحاظ سے صحیح بخاری کے بعد دوسرے درجے پر ہے۔اس بارے میں امام نسائی امام بخاری کے نقش قدم پر ہیں حتیٰ کہ کئی جگہ دونوں کے تراجم لفظ بہ لفظ ایک ہیں۔(ماخذہ: معارف السنن:۱/ ۲۳)

۵: کتاب کی احادیث کا درجہ: امام نسائی فرماتے ہیں: **كتاب السنن كله صحيح وبعضه معلول الا أنه لم يبين علته والمنتخب منه المسمى بالمجتبى صحيح كله**۔(النکت لابن حجر:۱/ ۴۸۴) سنن (کبریٰ) کا کچھ حصہ معلول ہے مگر اس کی علت بیان نہیں کی گئی۔اور اس کا انتخاب مجتبیٰ سارا صحیح ہے۔نیز محدثین کی ایک جماعت نے سنن نسائی پر صحیح کا اطلاق کیا ہے۔(الفیض السمائی:۱/ ۲۴) حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں: اصحاب صحاح میں سے امام بخاری کے بعد امام نسائی زیادہ ذکی ہیں اور میرے نزدیک ان کی تمام احادیث صحیح ہیں۔اور تراجم ابواب میں سے ترجمہ **اقامة كل واحد لنفسه** کی اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے تاویل ضروری ہے، کیونکہ **اقامة كل واحد لنفسه** باطل محض ہے۔(ملفوظات محدث کشمیری: ص ۲۰۳) اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ سنن نسائی کی اکثر احادیث صحیح یا حسن ہیں، بعض ضعیف بھی ہیں۔(دیکھیے: محدثین کی شروط ومناہج: ص ۹۳، ۹۴) اور تبصرہ بر المدخل: ص ۴۸، ۴۹، ۱۲۴، ۱۲۵، مولانا نعمانی، الفیض السمائی: ۱/ ۴۹، ۵۰ **فليتأمل حق التأمل في التطبيق أو الترجيح**۔

۶: اخذ حدیث کی شرط: ائمہ ستہ میں سے کسی سے (صراحتا) کوئی شرط منقول نہیں کہ کتاب میں فلاں شرط کی حدیث لی جائے گی، البتہ ان کی کتب کے استقراء سے شروط کا اندازہ کیا گیا ہے۔(شروط الائمۃ الستۃ: ص ۱۳) راوی کے ثقہ ہونے کی عام شرائط اسلام، عقل، صدق وغیرہ سے ہٹ کر امام نسائی کی خاص شرط کثرت ملازمت

ہے۔یعنی راوی نے اپنے شیخ کے ساتھ بہت وقت گزارا ہو۔(دیکھیے: معارف السنن:۱/ ۱۹ - ۲۱)امام نسائی کا قول ہے: **لایترک الرجل عندي حتی یجتمع الجمیع علی ترکه**۔(النکت لابن حجر:۱/ ۴۵۷)میرے ہاں راوی کو چھوڑا نہیں جاتا جب تک سب اسے چھوڑنے پر متفق نہ ہو جائیں۔یہاں سب محدثین کا اتفاق مراد نہیں، بلکہ متشددین اور متوسطین کا اجتماع مراد ہے۔غرض یہ ہے کہ صرف متشددین کی جرح پر راوی کو نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ متوسطین کا کلام بھی دیکھا جائے گا۔(ماخذہ:الفیض السمائی:ص ۴۲، ۴۳)

۷:تراجم ابواب اور تکرار احادیث: سنن نسائی کے ابواب کے عنوانات اور احادیث کا تکرار کتاب کا خاص امتیاز ہیں۔تراجم کی حیثیت حدیث کی شرح اور استنباط کی ہے۔مثلا **باب کیف یستاک**؟(مسواک کیسے کرے؟) کے تحت نبی اکرم کے زبان پر مسواک کرنے کی حدیث مذکور ہے۔اور عنوان سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صرف دانت پر مسواک کرنا کافی ہے یا زبان اور حلق میں بھی کرے؟(ماٗخذہ: الفیض السمائی:۱/ ۶۵)حاصل یہ کہ مسواک کے طریقے کا ایک جز بتایا۔اور مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تین طلاق ایک ہونے کی حدیث پر یہ عنوان ہے: **باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة**۔(غیر مدخول بہا کو الگ الگ لفظ سے تین طلاق دینا)اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی کے ہاں یہ حدیث مئوول ہے، تاہم جمہور کے نزدیک منسوخ ہے جیسے حاشیہ سندی میں ہے۔

پھر متعارض احادیث پر بعض دفعہ الگ الگ عنوانات قائم کرتے ہیں۔مثلا کتاب الافتتاح میں یہ عنوانات ہیں: **رفع الیدین للرکوع حذاء فروع الأذنین**،(رکوع کے وقت کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانا) **باب رفع الیدین للرکوع حذاء المنکبین**،(رکوع کے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھانا) **ترک ذلک**۔(رکوع کے وقت ہاتھ نہ اٹھانا)اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی کے نزدیک آخری عمل رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنا ہے۔

طہارۃ، میاہ اور حیض کا آغاز قرآن مجید کی آیات سے کیا ہے۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ آئندہ آنے والی سب احادیث ان آیات کی تفسیر ہیں۔اس طرح منکرین حدیث کا رد بھی ہو گیا۔(الفیض السمائی:۱/ ۶۳)

یہ عنوان کئی جگہ آتا ہے: **ذکر اختلاف الناقلین للخبر في ذلک**(فلاں حدیث کے راویوں کے اختلاف کا ذکر) اور **الاختلاف علی فلان في خبر کذا**۔(فلاں حدیث میں فلاں سے نقل کرنے والوں کا ختلاف)ان عنوانات سے رواۃ کا اختلاف بتانا مقصود ہوتا ہے۔ان امور کے اہتمام کی وجہ سے سنن نسائی کو بجا طور پر **کتاب العلل** بھی کہا جاتا ہے۔

تکرار حدیث کی عمومی صورت یہ ہے کہ ترجمۃ الباب یا سند یا متن کے الفاظ میں کچھ فرق ہوتا ہے۔اور یہ صورت باعث اشکال نہیں کیونکہ متن یا سند سے متعلق کسی نئے فائدے پر مشتمل ہے۔اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالت حیض میں طلاق دینے کی حدیث کتاب الطلاق میں پانچ عنوانات کے تحت آئی ہے: ا :باب وقت الطلاق للعدة التی أمر اللہ عز وجل أن يطلق لها النساء ٢ :باب ما يفعل اذا طلق تطليقة وهی حائض ٣:باب الطلاق لغير العدة ٤:الطلاق لغير العدة وما يحتسب منه علی المطلق ٥:باب الرجعة۔ ان پانچ عنوانات کے تحت یہ حدیث کل ١٣ دفعہ آئی ہے۔ سند ہر جگہ مختلف ہے۔ متن کے بعض الفاظ بعض جگہ مختلف ہیں۔ اور آخری چار عنوانات میں اعتباری فرق کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اطاعت امیر کی حدیث کتاب البيعة کے شروع میں پانچ عنوانات کے تحت آئی ہے۔ ١ :البيعة علی السمع والطاعة ٢ :باب البيعة علی أن لا ننازع الأمر أهله ٣:باب البيعة علی القول بالحق ٤:البيعة علی القول بالعدل ٥:البيعة علی الأثرة۔ یہ عنوانات اس حدیث کے متن کے مختلف جملوں کی بنا پر ہیں۔ سند ہر جگہ مختلف ہے۔ متن کے الفاظ بعض جگہ مختلف ہیں۔

البتہ بسا اوقات ایک ہی عنوان کے ساتھ ایک ہی حدیث (سند و متن) کا تکرار بھی ہوا ہے۔ مثلا کتاب الطهارة میں باب ماء البحر ہے اور کتاب المياه میں بھی الوضوء بماء البحر ہے۔ دونوں جگہ ایک ہی متن ایک ہی سند سے ہے۔ باب مباشرة الحائض کتاب الطهارة میں ہے اور مباشرة الحائض کتاب الحيض والاستحاضة میں بھی ہے۔ دونوں جگہ ایک ہی سند و متن ہے۔ ایسے مواقع پر اعتباری فرق کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھیے الفیض السمائی: ١/ ٤٥-٤٧، ٢١٠)

٨: قال أبو عبد الرحمن: اس عنوان کے تحت امام نسائی حدیث مذکور کے تناظر میں علوم الحدیث کی مختلف انواع سے متعلق اپنی آراء وتحقیقات کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلا قال أبو عبد الرحمن : يعنی لا تقطعوا عليه۔ (حدیث: ٥٣) یہاں متن کے لفظ لا تزرموه کی تفسیر کر رہے ہیں۔ یہ نوع غريب الحديث ہے۔ قال سمعت أبا حاجب، قال أبو عبد الرحمن : واسمه سوادة بن عاصم۔ (حدیث: ٣٤٣) یہاں کنیت سے معروف راوی کا نام و نسب بتایا ہے۔ اسے معرفة الأسماء کہتے ہیں۔ قال أبو عبد الرحمن : مخرمة لم يسمع من أبيه شيئا۔ (حدیث: ٤٣٨) یہ سند کے انقطاع کا بیان ہے۔ قال أبو عبد الرحمن : بريدة هذا ليس بالقوي في الحديث۔ (حدیث: ٨٠٠) یہ بریدہ بن سفیان پر جرح اور اس کی تضعیف ہے۔ قال أبو عبد الرحمن :كان المخرمي يقول: هو ثقة يعني محمد بن سعد الأنصاري۔ (حدیث: ٩٢٢) یہ اس راوی کی توثیق و تعدیل ہے۔ قال أبو عبد الرحمن : عبد الله بن جعفر هذا ليس به بأس وعبد الله بن جعفر بن نجيح والد علي بن المديني متروك الحديث۔ (حدیث: ١٣١٧) عبداللہ بن جعفر جو اس حدیث کی سند میں ہے ثقہ ہے اور عبداللہ بن جعفر بن

نجیح علی بن مدینی کا والد متروک الحدیث ہے۔عبداللہ بن جعفر نام کے دو راوی ہو گئے۔علوم الحدیث کی اس نوع کو المتفق والمفترق کہتے ہیں۔ قال أبو عبد الرحمن: هذا حديث منكر۔(حدیث: ۱۷۸۲) حدیث منکر مستقل نوع ہے۔قال أبو عبد الرحمن: عمرو بن شرحبيل يكنى أبا ميسرة۔(حدیث: ۲۵۰۷) عمرو بن شرحبیل کی کنیت ابومیسرہ ہے۔یہاں نام سے مشہور راوی کی کنیت بتائی ہے۔یہ معرفة الكنى ہے۔قال أبو عبد الرحمن: ثم أحدث احراما، ما أعلم أحدا قاله غير نوح بن حبيب ولا أحسبه محفوظا۔(حدیث: ۲۶۶۸) نئے سرے سے احرام باندھنے کا ذکر صرف نوح بن حبیب نے کیا ہے، میں اسے ثابت نہیں گمان کرتا۔یہاں متن کے ایک لفظ کا شذوذ بیان کیا ہے۔

خالفهم سلمة بن كهيل۔۔۔ فذكر نحوه ولم يذكر زيد بن أرقم ولم يرفعه۔قال أبو عبد الرحمن: هذا صواب۔(حدیث: ۳۴۹۲) یہاں پچھلی تین سندوں کو معلول قرار دیا اور سلمہ بن کہیل کی سند کو درست قرار دیا ہے لیکن اس کی وجہ مذکور نہیں۔جب کہ سنن کبری کی عبارت یوں ہے: **وسلمة بن كهيل أثبتهم وحديثه أولى بالصواب**۔(حدیث: ۵۶۵۶) اس سے معلوم ہوا کہ سلمہ بن کہیل کے احفظ ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتبی کی عبارت کی وضاحت کے لیے پہلے سنن کبری کی مراجعت کرنی چاہیے۔ تلک عشرة کاملة۔

یہاں مناسب ہے کہ صحاح ستہ کے دورہ کی تاریخ کا مختصر ذکر کیا جائے۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ) تحصیل علم کے بعد حرمین تشریف لے گئے۔وہاں علم حدیث کی تکمیل فرمائی اور واپس آ کر اس کی اشاعت میں مصروف ہوئے۔حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف نے اپنی کوششوں سے صحاح ستہ کے درس کو نصاب کا جزو بنایا۔(تاریخ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۶۶ ملخصا) اس سے پہلے نصاب میں حدیث کی ایک دو کتابیں مشارق الانوار، مشکاة المصابیح یا مصابیح السنة تھیں۔حضرت نے علمائے حرمین کے حدیث پڑھانے کے تین طریقے ذکر فرمائے ہیں: **۱: سرد:** اس میں صرف قراءت وسماعت ہوتی ہے۔**۲: حل:** اس میں سند اور متن کی مختصر تشریح ہوتی ہے۔یہ طریقہ مبتدی اور متوسط طلباء کے لیے ہے۔**۳: امعان:** اس میں بہت زیادہ تشریح ہوتی ہے۔شیخ ابوطاہر- جو شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے استاذ حدیث ہیں- ان کا طریقہ یہ تھا کہ ایک کتاب مثلا مشکاة بطور حل پڑھانے کے بعد صحاح ستہ بطور سرد وتلاوت ان کے سامنے گزاری جاتی تھی تا کہ تبرک کا سلسلہ روایت باقی رہے۔تفصیل کے لیے حضرت فرماتے ہیں: باقی مباحث بر شروح حوالہ می کردند، زیرا کہ ضبط حدیث امروز مدار آں بر تتبع شروح است۔(باقی تفصیلات شروح کے سپرد کرتے ہیں، کیونکہ اس وقت معنی حدیث کے ضبط کا دارومدار شروح پر ہے)۔مشائخ دیوبند نے اس طریقہ سرد پر یہ اضافہ کیا کہ فقہاء کے اقوال کی حدیث کے ساتھ تطبیق واضح کرنا شروع کی تا کہ کسی کو فقہ کے مخالف حدیث ہونے کا

شبہ نہ رہے۔(ماخذہ: نظام تعلیم وتربیت:۱/ ۲۴۰- ۲۴۶، ۲/ ۹۰ حاشیہ)

اس پس منظر میں سنن نسائی میں دو چیزیں خاص طور پر سمجھنے کی ہیں۔۱: ترجمۃ الباب کا حدیث سے ربط۔۲: قال ابوعبدالرحمن کی شرح۔اور تیسری چیز یہ کہ فقہائے کرام نے اگر کسی حدیث کے ظاہری معنی سے ہٹ کر کوئی معنی سمجھے ہیں تو اس کی مختصر وضاحت۔بس یہ تین چیزیں کافی وافی ہیں۔رہا فقہی خلافیات کے دلائل کا محاکمہ اور موازنہ، سو سنن نسائی کے درس میں میں یہ کام مشقت سے خالی نہیں۔کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جمیع مافی الباب سامنے ہو۔اور تیسری صدی ہجری میں کتب ستہ میں مرفوع احادیث کا انتخاب اور تبویب بنیادی مقصد رہا ہے۔اور خلافیات میں جانبین کے دلائل بلکہ جانب واحد کے دلائل کا استیعاب بھی کتاب میں نہیں ملتا۔البتہ یہ کام امام طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار میں سہولت سے ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں جانبین کے دلائل کتاب میں مذکور ہیں۔پہلی دو صدیوں اور تیسری صدی میں تدوین حدیث کے انداز میں فرق کے لیے دیکھیے: تاریخ تدوین حدیث: ص ۱۶۵ - ۱۸۰، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی (م ۱۴۲۰ھ)

نیز اجتہادیات میں کلام کی ایک حد ہے۔ان میں جتنی بھی بحث کرلی جائے حاصل یہی رہتا ہے کہ اپنا قول صواب محتمل خطا ہے اور مخالف کا قول خطا محتمل صواب ہے۔لہذا ایک جانب کو مستدل کے نزدیک ظنا ترجیح ہوجانا کافی ہے۔کسی قول کو بالکل باطل نہیں کہا جاسکتا۔یہ حد ہے اجتہادیات میں کلام کی۔اسے پار نہ کرنا چاہیے الا یہ کہ کسی غالی کی تعدیل کے لیے بہ ظاہر مختلف انداز اختیا کیا جائے تو یہ عارضی ہوگا، نہ کہ اصلی اور دائمی طریقہ۔ **والضروري انما يتقدر بقدرها فليحفظ۔**

سنن نسائی کے تراجم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی مرفوع حدیث کے ظاہر کو لیتے ہیں اور تعارض کے وقت تطبیق یا قوت سند سے ترجیح دیتے ہیں۔محدثین کا عمومی منہج یہی ہے، برخلاف فقہاء خصوصا حنفیہ کے۔ان کے ہاں تعامل، عام قوانین، فتاوی صحابہ وتابعین، علت حکم، مراتب دلائل اور کتاب اللہ کو بھی اخبار آحاد کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ **ولكل وجهة هو موليها۔**

۹: متفرق خصوصیات: ۱: سنن نسائی میں تعلیقات نہ ہونے کے برابر ہیں۔مولانا محمد عاقل سہارنپوری (م ۱۴۴۶ھ) فرماتے ہیں: سنن نسائی میں مجھے صرف دو جگہ تعلیقات ملی ہیں اور انھیں بھی آگے مصنف نے موصولا ذکر کیا ہے۔(الفیض السمائی: ۱/ ۵۱) ۲: سنن نسائی کی عالی ترین سند رباعی اور نازل ترین سند عشاری ہے۔(الفیض السمائی: ۱/ ۴۹) ۳: حائے تحویل بہت کم ہے، عموما پوری سند دوبارہ ذکر کرتے ہیں۔۴: تقطیع حدیث ان کے ہاں بہت کم ہے۔عموما پوری حدیث دوبارہ ذکر کرتے ہیں۔(محدثین کی شروط ومناہج: ص ۲۹۸) ۵: سند کے علو کی پروا نہیں کرتے

اور صحیح سند کو ترجیح دیتے ہیں۔(مصدر سابق: ص ۳۲) ۶: تفسیر اور تائید کے طور پر بعض جگہ حدیث موقوف ذکر کرتے ہیں۔ مثلا **باب عدة الحامل المتوفی عنها زوجها** کی آخری تین احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہیں۔ ۷: امام نسائی حارث بن مسکین سے حدیث نقل کرتے ہوئے اخبار اور تحدیث کا لفظ استعمال نہیں کرتے بلکہ **قراءة علیه و أنا أسمع** کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام نسائی جب حارث بن مسکین کے پاس آئے تو حارث بن مسکین کو ان کے حلیے سے سرکاری جاسوس ہونے کا شبہ ہوا اور انھیں اپنے پاس آنے سے روک دیا۔ چنانچہ امام نسائی دروازے کے پیچھے بیٹھ کر چھپ کر حدیث سنتے تھے، اس لیے یہ تعبیر اختیار کی۔(مأخذہ: الفیض السمائی: ۱/ ۱۲، ۱۳، ۷۰، ۷۱)۔ ۸: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (م ۱۴۱۷ھ) کی ترقیم کے مطابق سنن نسائی میں کتب کی تعداد ۵۱ (۹/ ۳۴) ابواب کی کل تعداد ۲۵۷۱ ہے۔(۹/ ۳۵ - ۱۰۴) احادیث وآثار کی کل تعداد مع مکررات ۵۷۶۱ (۸/ ۳۳۶) آثار صحابہ وتابعین کی کل تعداد مع مکررات ۲۵۴ ہے۔(۹/ ۱۸۳ -۱۹۱) اس طرح مرفوع احادیث کی کل تعداد ۵۵۰۷ ہے۔ اقوال نسائی کی کل تعداد ۱۱۰ ہے۔(۹/ ۲۶۱ - ۲۶۷) دار التاصیل کے نسخے میں کتب کی تعداد ۵۲ اور احادیث کی کل تعداد ۵۸۰۳ ہے۔

۱۰: کتاب کے نسخے اور طبعات: ۱: پریس ایجاد ہونے کے بعد دہلی میں سب سے پہلا مطبع قلعہ معلیٰ میں بادشاہ وقت کے اہتمام وانصرام سے قائم ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ) نے حدیث شریف کے بنیادی متون کی اشاعت کا ارادہ اور اہتمام فرمایا۔ چنانچہ سنن نسائی سے اپنی خدمت کا آغاز کیا اور دہلی بلکہ برصغیر اور عالم اسلام میں بھی حدیث شریف کی ایک اہم کتاب سنن نسائی کا ایک عمدہ نسخہ، جو اس دور کی اعلی اور حسین ترین طباعت کا نمونہ تھا، غالبا حضرت شاہ محمد اسحاق کی تصحیح اور حواشی سے مزین ہو کر، حضرت شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) اور شاہ عبد العزیز (م ۱۲۳۹ھ) کے مختصر افادات کے ساتھ چھپا، جس کی سند کا آغاز: **یقول العبد الضعیف خادم علماء الآفاق محمد اسحاق** کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ یہ نسخہ جو سفید عمدہ کاغذ پر چھپا مطبع سلطانی قلعہ معلیٰ دہلی سے ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا تھا۔ لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق اس کی طباعت کے بعد جلد ہی ہندوستان سے مکہ معظّمہ ہجرت کر گئے تھے، اس لیے حضرت کے مشن اور علم کو ان کی ہدایت اور وصیت کے مطابق حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) نے سنبھالا اور اس شان سے بلند رکھا کہ پوری دنیا میں خدمت حدیث کا آوازہ گونج گیا۔(دیکھیے مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا مضمون: حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمات حدیث، شائع شدہ دوماہی الشارق: ص ۱۸، ۱۹، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ مارچ، اپریل ۲۰۰۸ء) ۲: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی ترقیم اور فہارس کے ساتھ طبع ہونے والا نسخہ۔ ۳: دار التاصیل، قاہرہ سے طبع شدہ نسخہ جس میں محققین کی ایک

جماعت نے ۸ مخطوطات سے تصحیح کی ہے۔اس میں نواں نسخہ طبع ہندیہ کے نام سے ہے۔اور یہ شاہ محمد اسحاق دہلوی کے اہتمام سے شائع ہونے والا نسخہ ہے۔(دیکھیے:سنن نسائی :۱/۱۶۱ - ۱۶۶، دار التاصیل) لیکن اس اہتمام بالغ کے باوجود اس نسخے میں بہت سی اغلاط رہ گئی ہیں ۔شروع کتاب میں **تنبیه هام** کے عنوان کے تحت اس کا اعلان کیا گیا ہے۔ ۴: عصام موسی ہادی تلمیذ شیخ البانی کی تحقیق سے طبع شدہ نسخہ دار الصدیق سعودیہ سے۔اس میں ۱۳ مخطوطات سے تصحیح لکھا ہے۔تاہم یہ قابل غور ہے کہ اس میں کس حد تک تصحیح ہوئی ہے؟

امام نسائی سے یہ کتاب روایت کرنے والے ۳ راوی معلوم ہو سکے ہیں ۔۱:ابن السنی (م ۳۶۴ھ)، ۲: امام نسائی کے بیٹے عبد الکریم (م ۳۴۴ھ)، ۳: محمد بن قاسم (م ۳۲۷ھ) معروف بہ ولید صوفی ۔لیکن ہم تک یہ کتاب ابن السنی ہی کی روایت سے پہنچی ہے۔(سنن نسائی:۱/ ۸۲، دار التاصیل)

۱۱: شروح وحواشی: سنن نسائی کے شروح وحواشی دیگر کتب کی نسبت بہت کم ہیں، حتی کہ ۱: شیخ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) اپنی شرح **زهر الربی** کے خطبے میں فرماتے ہیں: **له منذ صنف أكثر من ستمائة سنة ولم يشتهر عليه من شرح ولا تعليق**۔(ص ۲) اس کتاب کو تصنیف ہوئے چھ سو سال سے زیادہ وقت گزر چکا ہے لیکن اس کی کوئی مشہور شرح اور تعلیق نہیں۔ ۲: اس کے بعد شیخ ابوالحسن سندی کبیر (م ۱۱۳۸ھ) نے مختصر حاشیہ لکھا جو حل کتاب کے لیے بہت مفید ہے۔ان دونوں کو سنن نسائی کی شرح کے لیے بنیادی مأخذ کی حیثیت حاصل ہوئی۔ ۳: حاشیہ مولانا محمد محدث تھانوی (م ۱۲۹۶ھ) تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی۔

(م ۱۲۶۲ھ) **التقريرات الرائعة** کے نام سے مطبوع ہے۔، ۴: **الفيض السمائي** جو دراصل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کے درسی افادات ہیں اور ان کی تخریج، تشریح اور اضافات کا کام مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے شروع کیا اور اس کی تکمیل مولانا محمد عاقل سہارنپوری نے کی۔ ۳ جلد میں مکتبۃ الشیخ کراچی سے مطبوع ہے۔اور درحقیقت گنجینہ معارف ہے ۔ ۵: حاشیہ مولانا وصی احمد سورتی (م ۱۳۳۴ھ) تلمیذ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ)، ۶: حاشیہ مولانا عطاء اللہ بھوجیانی اہل حدیث (م ۱۴۰۸ھ) **التعليقات السلفية** کے نام سے مطبوع ہے۔، ۷: **ذخيرة العقبى**، شیخ محمد اثیوبی ظاہری (م ۱۴۴۲ھ) کی ضخیم شرح جو ۴۲ جلدوں میں ہے۔وغیرہ۔(مأخذہ: الفیض السمائی: ۱/ ۵۱ - ۵۴، بزیادۃ)

خاص سنن نسائی کے تراجم رجال پر مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں ۔مثلاً ابومحمد جہنی (م ۳۹۵ھ) کی **تسمية شيوخ النسائي**، ابوعلی جیانی (م ۴۹۸ھ) کی **شيوخ النسائي**، ابومحمد دورقی (م ۵۲۴ھ) کی **رجال النسائي** اور ابوبکر ازدی (م ۶۳۶ھ) کی **شيوخ النسائي**۔(سنن نسائی: ۱/ ۹۰، ۹۱ دار التاصیل).

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

کی کثرت تصانیف کے ظاہری اسباب

مولانا عبداللطیف قاسمی

امت میں بہت سارے ماہر مصنّفین وتجربہ کار مولفین گزرے ہیں جنھوں ڈھیر ساری کتابیں تصنیف کیں ؛لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تصنیفات کو باقی نہیں رکھا؛ بلکہ ان کتابوں کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا،جن کو اس نے قبول نہیں فرمایا ،علامہ خرشی مالکی نے مختصر خلیل کے مقدمہ میں ایک تاریخی جملہ رقم فرمایا ہے: كَمْ مِنْ تَأْلِيفٍ طُوِيَ ذِكْرُه, وَلَمْ يُسْتَغَلْ بِه کتنی ایسی کتابیں ہیں جن کے نام بھی لوگ جانتے نہیں ہیں ،اسکے برخلاف کچھ مصنّفین ومولفین وہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تصانیف کومقبولیتِ تامہ وافادیتِ عامہ عطا فرمایا،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، انھوں نے ایک مؤطا نامی کتاب لکھی جو امام مالکؒ کی موطا سے زیادہ ضخیم تھی،لوگوں نے امام مالکؒ سے سوال کیا، مَا الفائدةُ فِي تَصْنِيفِه؟ اب آپ کی موطا سے کیا فائدہ ہوگا ؟امام مالکؒ نے جواب میں ارشادفرمایا: مَاكانَ لِلهِ يَبْقِى۔ جو اللہ کے لیے ہوگی باقی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے انکی تصانیف کوقبول فرمایا،تحریروں سے قرآن وحدیث کے نصوص ، اور مسائل شریعت کو سمجھنے میں مدد حاصل کی جاتی ہے اور انکے اقوال کو سند کا درجہ دیا جاتا ہے، وہ دنیا سے رخصت ہو گئے،لیکن وہ اور انکی تصنیفات۔ زندہ وتابندہ ہیں، امت ان سے برابر مستفید ہورہی ہے ،انکی تالیفات ہمارے نصاب میں داخل، ہمارے کتب خانوں کی زینت، مصنّفین ،مولفین ،شارحین ،مفتیان کرام ،محدثین عظام ،مدرسین اور طلبہ ءعلم کا مرجع اور آنکھوں کا سرمہ بنی ہوئی ہیں۔

امت کے بے شمار اکابر نے متنوع موضوعات پر مقبول اور بے شمار تالیفات اپنے پیچھے چھوڑی ہیں ۔مثلاً امام محمد بن حسن الشیبانی ،امام طحاوی ،امام سلیمان بن احمد الطبرانی ،(۴۶ کتابیں) علی بن عمر ودارقطنی (۸۰)،حاکم ابوعبد اللہ النیسا پوری (۱۵۰۰ ،اجزاء) احمد بن حسن ابوبکر البیہقی الشافعی (۱۰۰۰) احمد بن علی بن ثابت المعروف بالخطیب البغدادی (۵۶) ،محمد بن محمد بن محمد الغزالی ،ابوالفرج ابن الجوزی (۲۰۰۰)،ابوالبرکات النسفی ،محمد بن محمد بن عثمان شمس الدین الذہبی، تقی الدین السبکی (۱۵۰)،یحی بن شرف النووی الشافعی،حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن

حجر العسقلانی، حافظ بدر الدین العینی، علامہ محمد بن عبد الرحمن السخاوی (۲۰۰)، جلال الدین السیوطی (۷۲۵) علامہ محمد عبد الرؤف بن تاج المناوی (۸۰) ابن رجب الحنبلی، علامہ محمود بن عبد اللہ الآلوسی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

ان ہی مبارک ومقبولان خدا بزرگوں میں ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی اور بالخصوص حکیم الامت مجدد الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، جن کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے اعلیٰ درجہ کا ملکہ تصنیف عطا فرمایا تھا، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، اور تجوید وغیرہ علوم میں آپ کی تصنیفات ہیں، حضرت والا جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اسکا کوئی ضروری پہلو نظر انداز نہیں ہوتا۔ نیز اس کو دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے ذریعہ مدلل ومبرھن فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو کثرت تصانیف کی نعمت کیساتھ ساتھ ان کو مقبولیت عامہ اور نافعت تامہ بھی عطا فرمایا ہے، حضرت والا کی کتابوں کی طرف علماء وعوام کا رجوع ہے، اور امت ان سے برابر مستفید ہو رہی ہے۔

حضرت والا کی تصانیف میں شروع ہی سے من جانب اللہ برکت، خصوصی نصرت اور غیبی مدد شامل حال رہی ہے۔

چنانچہ طالب علمی کے زمانے میں ہی جب آپ کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی، فارسی میں مثنوی "زیر وبم" لکھی، نیز جس زمانے میں حضرت والا اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی۔ قدس سرہ العزیز۔ کی خدمت میں قیام پذیر تھے، حاجی صاحب کے حکم سے حضرت ابن عطا اسکندریؒ کی کتاب "تنویر" کا اردو ترجمہ "اکسیر فی اثبات التقدیر" کر رہے تھے، حضرت حاجی صاحب نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ کام ہوتا ہوا دیکھ کر یہ بشارت سنائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے وقت میں برکت رکھی ہے، چنانچہ واقعی حضرت والا کے وقت میں کھلی ہوئی برکت دیکھنے میں آئی، جتنے وقت میں جتنا کام حضرت والا کر لیتے تھے، اکثر تجربہ کاروں کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ دوسرا نہیں کر سکتا۔

کثرت تصانیف میں امداد غیبی کے چند ظاہری اسباب:

آپ کی کثرت تصانیف کے ظاہری اسباب مندرجہ ذیل ہیں جن کو آپ کے خلیفہ اور آپ کے سوانح نگار حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے "اشرف السوانح" میں بیان کیا ہے۔

پہلا سبب:

حضرت والا کے اندر کسی کام کو شروع کر کے اس سے اپنے قلب ودماغ کو فارغ کرنے کا تقاضا اس

شدت سے پیدا ہوتا تھا کہ جب تک اس سے مکمل فارغ نہیں ہوتے ، بے قرار و بے چین رہتے تھے ،رات دن ،وقت بے وقت باستثناء امورِضروریہ کے اسی کی تکمیل کی دھن میں لگے رہتے تھے،اوراس کو جلد سے جلد پورا فرما کر ہی سکون پاتے تھے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ لکھتے ہیں:

احقر کواچھی طرح یاد ہے کہ جب کلید مثنوی کی شرح قریب الختم تھی تو حضرت والا کے اندراس سے فراغت حاصل کرنے کا اس شدت کے ساتھ تقاضا ہوا کہ آخر میں دن بھر اسی کو لکھتے رہے پھر تمام رات لکھتے رہے،ایک منٹ کے لیے بھی نہ سوئے اور فجر سے پہلے اس کو ختم کر کے ہی دم لیا،اور فرمایا: پوری رات جاگنے کا اس سے پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا جس کا یہ اثر ہوا کہ بوجہ خلاف عادت تعب برداشت کرنے کے بخار ہو گیا،لیکن بخار میں بھی ایک اطمانینی کیفیت تھی کیونکہ کام سے فارغ ہونے کے بعد بخار آیا تھا۔

دوسرا سبب:

امدادِ غیبی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ حضرت والا کوکسی مضمون کے تحریر فرمانے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی ، اکثر بڑے بڑے غامض مضامین کو بھی قلم برداشتہ لکھتے دیکھا گیا،اگرچہ دورانِ تحریر اور تحریر کے بعد بھی اس میں اضافات وترمیمات بکثرت فرماتے رہتے تھے۔

تیسرا سبب:

تیسرا سبب وقت میں برکت ہے کہ موانع سے حفاظت رہتی تھی چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ تفسیر ”بیان القرآن“ لکھنے کے زمانہ میں جس کی مدت تقریباڈھائی سال تھی ،میرا کبھی کان بھی گرم نہیں ہوا، حالانکہ اس زمانہ میں یہاں طاعون کی بہت کثرت رہی ،حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جب تفسیر لکھنے کے زمانہ میں قصبے کے اندر شدت کے ساتھ طاعون پھیلا،تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ! جب تک تفسیر پوری نہ ہو اس وقت تک تو مجھے زندہ ہی رکھیے گا، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ میرا کان بھی گرم نہ ہوا،الحمد للہ تفسیر مع الخیر پوری ہوگئی۔

چوتھا سبب:

حضرت والا کی کثرت تصانیف کا چوتھا سبب عدم غلو ہے، چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی ایک بار یہی رائے ظاہر فرمائی تھی ،حضرت تھانوی مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ کی رائے کو نقل فرما کر فرمایا کرتے تھے واقعی بالکل صحیح فرمایا، زیادہ کاوش سے کچھ کام نہیں ہوتا، میری نظر تو صرف ضرورت پر رہتی ہے،ضرورت سے زیادہ کاوش کرنے سے جی بہت الجھتا ہے، اسی وجہ سے میری عبارت بہت مختصر ہوتی ہے؛ مگر

اظہار مدعا کے لیے بالکل کافی ووافی ہوتی ہے اور واضح ہوتی ہے، بلاضرورت میں ہرگز طویل نہیں کرتا؛ مگر جہاں وضوح کے لیے تطویل ہی کی ضرورت ہو، وہاں تطویل سے گریز بھی نہیں کرتا۔

حضرت والا جس زمانہ میں بکثرت کتابیں تصنیف فرماتے تھے، اکثر اپنے پاس پنسل اور کاغذ رکھتے تھے اور جس وقت اس کے متعلق کوئی مضمون ذہن میں آتا، فوراً اس کو لکھ لیتے بلکہ بعض اوقات رات کو سوتے وقت بھی تکیہ کے نیچے کاغذ اور پنسل رکھ لیتے تاکہ اگر رات کو بھی کوئی مضمون ذہن میں آئے تو فوراً روشنی کا انتظام کر کے اسکے متعلق یادداشت لکھ لی جائے۔

پانچواں سبب:

حضرت والا نہایت منضبط الاوقات تھے، چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں انضباطِ اوقات نہ کرتا تو دین کی جو کچھ تھوڑی بہت مجھ سے خدمت ہوسکی ہے ہرگز نہ ہوسکتی، حضرت والا انضباط اوقات کے سلسلہ میں یہاں تک پابند تھے کہ ایک مرتبہ حضرت والا کے استاذ مکرم حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، اور آپ کے مہمان ہوئے، تو حضرت والا نے حضرت شیخ الہندؒ کے لیے راحت و آرام کے سارے انتظامات فرما دینے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا، تو نہایت ادب کے ساتھ اجازت حاصل فرما کر تصنیف کے کام میں مشغول ہو گئے، پھر تصنیف میں دل نہ لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد حاضر خدمت ہو گئے، لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہ کیا۔

چھٹا سبب:

چھٹا سبب اخلاص ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت والا اپنی تصنیفات کو معاش کا ذریعہ نہیں بنایا، چنانچہ حضرت والا کی طرف سے عام اجازت ہے کہ جس تصنیف کو جو چاہے اور جتنی تعداد میں چاہے چھاپ سکتا ہے، چنانچہ اہل مطابع نے لاکھوں روپئے حضرت والا کی تصانیف کو شائع کر کے حاصل کرتے ہیں۔

ایک انگریز نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کو تفسیر کے لکھنے میں کتنے روپے ملے؟ حضرت والا نے فرمایا: کچھ بھی نہیں تو اس نے بہت تعجب کیا، اور کہا کہ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے کی آپ نے محنت کیوں کی؟ حضرت والا نے فرمایا کہ ہم لوگوں کا عقیدہ ہے اس زندگی کے علاوہ بھی ایک زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں، میں نے یہ محنت اس امید کیساتھ کی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مجھے اس کا عوض اس دوسری زندگی میں ملے گا، اور دنیا کا فائدہ یہ ہے کہ جب میں دیکھوں گا کہ میرے مسلمان بھائی پڑھ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو مجھ کو خوشی ہوگی۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۴۷)

علامہ شُرنبلالی کا علمی مقام

مولانا عصمت اللہ نظامانی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

فقہائے احناف میں ایسی جلیل القدر، عظیم الشان اور علمی اعتبار سے بلند پایہ ہستیاں گزری ہیں جو تمام فقہی مسالک کے لوگوں کے لیے قابلِ تعظیم رہی ہیں اور جن کے علمی رسوخ اور پختگی کی گواہی معاصرین؛ بلکہ مخالفین نے بھی دی ہے۔ ایسی ہی قابلِ قدر ہستیوں میں سے ایک "علامہ شرنبلالی" بھی ہیں۔

فقہ کا ادنیٰ سا طالبِ علم بھی ان کی فقاہت اور دینی علوم، خصوصاً فقہ میں ان کی لازوال خدمات سے ناآشنا نہیں ہوگا۔ علامہ شرنبلالی نے پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور علمِ دین کی نشر واشاعت میں گزاری، یہی وجہ ہے کہ ان سے علمی استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے اور ان کی تصانیف بھی عدد میں کسی کتب خانے سے کم نہیں۔ ذیل میں ہم علامہ شرنبلالی کا مختصر تعارف اور ان کے علمی مقام کا تذکرہ کریں گے۔

نام ونسب اور ولادت:

ان کا مکمل نام "حسن بن عمار بن علی شرنبلالی مصری" ہے، ابوالاخلاص لقب تھا، مصر کی "شبرابلولی" نامی ایک بستی میں ان کی پیدائش ہوئی تھی؛ لہٰذا اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں "شرنبلالی" کہا گیا، ان کی ولادت سن ۹۹۴ھ میں ہوئی۔ (۱)

حصولِ علم کے اسفار:

علامہ شرنبلالی کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو ان کے والد انھیں مصر کے مشہور شہر قاہرہ لے کر آئے، وہاں انھوں نے قرآن پاک حفظ کیا اور پھر علمِ دین حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، آپ کے ابتدائی اساتذہ میں شیخ محمد حموی اور شیخ عبدالرحمن مسیری شامل ہیں۔ بعد ازاں انھوں نے عالمِ اسلام کی مشہور ومعروف دینی درس گاہ "جامع ازہر" جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے دور کے مایہ ناز فقہاء ومحدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ (۲)

اساتذہ وشیوخ:

علامہ شرنبلالی نے بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے تعلیم حاصل کی، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- امام عبداللہ نحریری

۲- علامہ محمد محبی

۳- علی بن غانم مقدسی

علامہ نے ان تین اساتذہ سے علم فقہ میں خصوصی استفادہ کیا۔

۴- شیخ محمد حموی

۵- شیخ عبدالرحمن مسیری

ان کے علاوہ اور بھی متعدد ائمہ فن سے تعلیم حاصل کی۔(۳)

شاگردو تلامذہ:

آپ نے کافی عرصہ درس وتدریس کی خدمت سرانجام دی،جس کی وجہ سے طلبہ ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا،جن میں علامہ احمد عجمی،سید احمد حموی،شیخ شاہین ارمناوی اور علامہ اسماعیل نابلسی سرفہرست ہیں۔(۴)

علم فقہ میں مہارت:

علامہ شرنبلالی کا طرۂ امتیاز اور معاصرین پر سبقت اور فوقیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھیں علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی،فقہی اصول وقواعد پر گہری نظر تھی اور فرعی مسائل کا احاطہ کیے ہوے تھے،اسی بنا پر وہ اپنے زمانے میں فقہ وفتاوی میں مرجع خلائق بنے رہے۔انھوں نے متون،شروح اور فتاوی یعنی علمِ فقہ کے ہر شعبہ میں کتابیں تصنیف کیں اور ایسی عمدہ،جامع اور ٹھوس عقلی ونقلی دلائل پر مشتمل کتب تالیف کیں کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے اور انھیں خراجِ تحسین دیے بغیر نہیں رہتا۔

تالیفات:

آپ کثیر التصانیف تھے،مختلف علوم وفنون میں بہت سی گراں قدر کتابیں تالیف کیں،جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱- **مراقی السعادات فی علمی التوحید و العبادات**

۲- **نور الإیضاح**

پھر اس کی دو شرحین لکھیں:ایک"مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح"اور دوسری"امداد الفتاح"،ان میں سے پہلی مختصر؛جب کہ دوسری شرح طویل ہے۔

۳- إمداد الفتاح شرح نور الإيضاح

۴- مراقی الفلاح بإمداد الفتاح شرح نور الإیضاح

یہ کتاب فقہ حنفی میں اصول اور ماٴ خذ کا درجہ رکھتی ہے، اس کی اہمیت کے پیشِ نظر مشہور فقیہ علامہ طحطاوی نے اس کا حاشیہ لکھا۔

۵- غنية ذوی الأحكام حاشية درر الحكام لملاخسرو

یہ ایک بے مثال حاشیہ ہے جو انھوں نے ملاخسرو کی معروف فقہی کتاب "درر الحکام" پر لکھا تھا، علامہ محبی اس حاشیہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وصَنَّفَ كُتبًا كثيرةً في المذهب وأجلّها حاشيتُه على كتاب الدرر والغرر لمنلا خسرو واشتهرت في حياته وانتفع الناس بها وهي أكبر دليل على ملكته الراسخة (۵)

علامہ شرنبلالی نے فقہ حنفی میں بہت سی کتابیں لکھیں، جن میں سب سے جلیل القدر ملاخسرو کی کتاب "درر اور غرر" پر ان کا حاشیہ ہے، یہ حاشیہ علامہ کی زندگی میں ہی مشہور ہو گیا تھا اور لوگ اس سے منتفع ہوئے، یہ حاشیہ ان کے راسخ ومضبوط فقہی ملکہ اور استعداد کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

۶- شرح منظومة ابن وهبان

۷- اتحاف ذوی الاتقان بحكم الرهان

۸- الرحمانية الحسنية في مذهب السادة الحنفية

یہ کتاب علامہ شرنبلالی کے تقریباً ساٹھ (۶۰) فقہی رسائل کا مجموعہ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ (۶)

علامہ شرنبلالی کا مقام اولیائے کرام کی نظر میں:

دینی علوم کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ علامہ شرنبلالی باطنی اوصافِ حمیدہ سے بھی آراستہ تھے، علماء کے حلقے میں آپ کا جو بلند مقام تھا وہ تو اپنی جگہ؛ مگر صلحاء اور مجذوب قسم کے لوگوں کی نظر میں بھی آپ کا مقام عالی تھا؛ چنانچہ علامہ شرنبلالی اور ان صلحاء واولیائے کرام کے درمیان گفتگو چلتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے علامہ شرنبلالی سے کہا:

يا حسن! من هذا اليوم لا تشتر لک ولا لأهلک وأولادک كسوة (۷)

اے حسن! آج سے تم اپنے لیے اور اپنے گھر والوں اور اولاد کے لیے کپڑے مت خریدنا۔

چنانچہ اس دن کے بعد علامہ شرنبلالی کے پاس عمدہ قسم کے کپڑے آتے رہتے تھے؛ اس لیے انھیں کپڑا خریدنے کی کبھی نوبت نہیں آئی۔

اہلِ علم کی آپ سے متعلق آرا:

۱-مؤرخِ شہیر محمد امین محبی، علامہ شرنبلالی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: **وهو أحسن المتأخرين ملكةً في الفقه وأعرفُهم بنصوصِه وقواعِده وأنداهم قَلَمًا في التحرير والتصنيف (٨)**

۲-فضل اللہ محبی آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

والشيخُ العمدةُ الحسن الشرنبلالي مصباحُ الأزهر وكوكبه المنير المتلالي لوراٰه صاحب السراج الوهاج لاقتبس من نوره كان أحسن فقهاء زمانه (٩)

یعنی علامہ شرنبلالی جامع ازہر کا ایک چراغ اور اس کا روشن چمکتا ستارہ ہیں، اگر صاحبِ "سراج وہاج" انھیں دیکھتے تو ان کے نور سے روشنی حاصل کرتے۔۔الخ۔

اور پھر کئی سطروں میں علامہ شرنبلالی کی بہترین انداز میں تعریف کی۔

۳-علامہ عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں: **كان من أعيانِ الفقهاء وفضلاءِ عصره وممن سار ذكره وانتشر أمرُه وكان المعولُ عليه في الفتاوى (١٠)**

اور بھی بہت سے حضرات نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کی علم فقہ میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔

وفات:

علامہ شرنبلالی نے پوری زندگی علم کی نشر و اشاعت میں گزاری؛ بالآخر رمضان المبارک، سن ۱۰۶۹ھ کو بمقام قاہرہ جمعہ کے دن عصر کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ۷۵ سال تھی۔

حواشی

(۱) **الأعلام للزركلي (٢/٢٠٨)، الناشر: دار العلم للملايين، ط: ٢٠٠٢م**

(۲) **خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، محمد أمين المحبي (ص: ٢/٣٨)، الناشر: دار صادر-بيروت**

(۳) **معجم المؤلفين، عمر رضا كحالة (٣/٢٦٥)، الناشر: دار احياء التراث العربي-بيروت**

(۴) **التتمة الجليلة لطبقات الحنفية، صلاح محمد أبو الحجاج، (ص: ١٣)، رقم الترجمة؛ ٢٩٨،**

الناشر: مركز العالمي للدراسات
(۵)خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، محمد أمين المحبي، (ص:۲/ ۳۸)
(۶)إرشاد الحنفي إلى أخبار أحمد الحموي، صلاح محمد أبو الحجاج، (ص:۱۰)، الناشر: مركز العالمي للدراسات وتقنية المعلومات/ والأعلام للزركلي (۲/ ۲۰۸)
(۷)خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، محمد أمين المحبي، (ص:۲/ ۳۹)
(۸)خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، محمد أمين المحبي، (ص:۲/ ۳۸)
(۹)المصدر السابق
(۱۰)الفوائد البهية في تراجم الحنفية للكنوي، (ص:۵۸)، الناشر: دار السعادة مصر
(۱۱)خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، محمد أمين المحبي، (ص:۲/ ۳۹)- والأعلام للزركلي، (۲/ ۲۰۸)

بقیہ: حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

سب سے بڑی احتیاط جو حضرت والا کی اہم خصوصیات میں سے ہے وہ یہ ہے کہ اپنی تصانیف کے تسامحات اتفاقی کو جن کا علم خود یا کسی دوسرے کے ذریعے سے ہوتا رہتا تھا، ان سے رجوع فرماتے تھے، اور اس رجوع کو شائع بھی فرماتے رہتے تھے اور اس سلسلہ کا ایک خاص عنوان "ترجیح الراجح" تجویز کیا گیا جو مستقل طور پر جاری تھا، اس سلسلہ میں حضرت والا کو جہاں اپنے تسامحات پر شرح صدر ہو جاتا، وہاں رجوع فرما لیتے اور جہاں تردد رہتا ہے وہاں جواب لکھ کر یہ تحریر فرما دیتے کہ دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لیا جائے، اس کے متعلق حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا "ترجیح الراجح" اس زمانے کی ایک بالکل نرالی چیز ہے یہ سلف صالحین کا معمول تھا، مولانا تھانویؒ کی امتیازی شان اور کمال صدق و اخلاص کے ظاہر کرنے کے لیے بس یہی کافی ہے، حضرت والا نے بعض فضلاء سے اپنی تصانیف "بہشتی زیور" "امداد الفتاوی" "تفسیر بیان القرآن" پر نظر ثانی بھی کرائی اور جن تسامحات پر شرح صدر ہو گیا ان کو اصل نسخہ میں درست فرما کر شائع بھی فرمایا۔

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے کثرت تصانیف کے مذکورہ ظاہری اسباب اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر ہم کامیاب مصنف و مؤلف بننا چاہتے ہیں اور اپنی تصانیف کو مقبول و نافع بنانا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذکورہ اصول کو اختیار کریں، اگر ہم ان اصول کا اختصار کرنا چاہیں تو اس طرح کر سکتے ہیں۔

(۱)شوق وجذبہ (۲)استحضارِ علم (۳)لایعنی امور سے احتراز (۴)تصنع وتکلف سے اجتناب (۵)انضباطِ اوقات (۶)اخلاص۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم بھی ان زریں اصول پر کاربند ہو کر دینی خدمات میں ہمہ تن مصروف رہیں۔

مقالات ومضامین

تعلیم وتربیت پر ماحول کے اثرات

مولانا اعجاز مصطفیٰ

دین اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس نے اولاد، والدین، بڑوں، چھوٹوں، پڑوسیوں، مسلمانوں، حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کے بارہ میں واضح تعلیمات اور ہدایات دی ہیں۔

اگر ایک مسلمان صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوجائے تو قلب وقالب دونوں کی اصلاح ہوجائے گی، آخرت سے پہلے اس کی دنیوی زندگی بھی جنت کا نمونہ ثابت ہوگی۔ اس کی جان، مال، عزت، آبرو ہر چیز محفوظ ہوجائے گی۔ اس کے دل کو سکون نصیب ہوگا۔ اس کا دماغ وسوسوں، توہمات اور دنیوی تفکرات سے راحت پائے گا۔ مخلوق خدا کی محبت اس کے دل میں جگہ پالے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر اس کو رحم آئے گا۔ مسلمانوں کی تکالیف، پریشانیوں اور ان پر مظالم سے اس کا دل دکھے گا۔ ان کی تکلیفوں، پریشانیوں اور مصائب وآلام کو دور کرنے کی ہر ممکن سعی کرے گا۔

لیکن ہائے افسوس! کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو چھوڑ دیا، مغرب کی بے خدا قوموں کی اندھی تقلید کو اپنا شعار بنالیا، جس کی نحوست سے آج کا مسلم معاشرہ گناہ ومعصیت، فسق وفجور، بے حیائی وبے حجابی، حیوانیت وبہیمیت کے گرداب میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ آج کا مسلمان نفس پرستی، تعیش پسندی، اور خواہش براری کے لئے اسلامی حدود کو پامال کررہا ہے۔ اخلاق وآداب، تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت اور سیاست ومعاشرت جیسے شعبوں میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کو چھوڑ کر بے دین، بے ہدایت اور بے خدا قوموں کی نقالی کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار اور ان کے طور طریقوں اور عادات واطوار کے اپنانے کو اپنے لئے اعزاز سمجھ رہا ہے۔

خودغرض اور خود پسند مسلمانوں کی اکثریت کے دل میں اللہ کا خوف ہے، نہ آخرت کا ڈر ہے۔ نہ جنت کی تمنا اور طلب ہے، نہ اس کی جستجو اور کوشش ہے۔ ہر طرف ظلم وقساوت کا دور دورہ ہے۔ یہود ونصاریٰ کی تقلید وپیروی اور تہذیب وتمدن کا غلبہ مسلمانوں پر مسلط ہو چکا ہے۔ اور بالکل وہی صورت حال ہے جس کی نشاندہی نبی مکرم، فخرِ مجسم، ہادیِ امم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا چودہ سو سال پہلے فرمادی تھی کہ:

''لَتَتَّبِعُنَّ سننَ من كان قبلكم شبراً بشبر و ذراعا بذراع حتى لو دخلوا جُحْرَ ضب تَبِعْتُمُوْهم، قيل يارسول اللّٰہ! اليهود والنصارىٰ؟ قال: فمَن؟!''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، ص:۴۵۸)

ترجمہ: ”تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ہُو بہُو پیروی کروگے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی اگر گوہ کے بِل میں داخل ہوگا تو تم بھی ہوگے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یہود ونصاریٰ (مراد ہیں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اور کون (مراد ہوسکتا ہے)؟“۔

اسلام نے تعلیم دی ہے کہ ایک مسلمان کی جب اولاد ہو تو اس کا اچھے سے اچھا نام رکھے۔ تعلیم وتادیب کے قابل ہو تو اسے بہتر سے بہتر تعلیم اور اسے اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرے۔ شادی کے قابل ہو تو ایسے خاندان میں اس کا رشتہ تجویز کرے جو دینی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے فائق ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱:......من ابتُلِيَ من هذه البنات بشئى فأحسنَ إليهن كُنَّ له سترا من النار۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، ص:۴۲۱)

ترجمہ: ”تم میں سے جس کی ان لڑکیوں سے آزمائش کی جائے اور وہ ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے آگ سے پردہ (بچاؤ کا ذریعہ) ہوں گی“۔

۲:......”عن أنس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من عال جاریتین حتی تبلغا جاءیوم القیامة أنا وهو كذا وضم أصابعه“۔ (مشکوٰۃ، ص:۴۲۱)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو بچیوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ملالیں“۔

۳:......”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

مَنْ عال ثلاث بنات أو مثلهن من الأخوات فأَدَّبَهُنَّ ورَحِمَهن حتی يُغْنِيَهن اللّٰہ أوجب اللّٰہ له الجنةَ فقال رجل: یارسول اللّٰہ! أو اثنتین؟ قال أو اثنتین...“۔ (مشکوٰۃ، ص:۴۲۳)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین بیٹیوں یا ان کی طرح (یعنی تین) بہنوں کی پرورش کی، پھر انہیں ادب سکھایا اور ان پر شفقت کی، یہاں تک کہ اللہ اُنہیں (شادی، مال یا موت کے ذریعہ) غنی کردے تو ایسے آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کو واجب کردیا۔ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! اگر دو ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھی ہوں (یعنی تب بھی یہی بشارت ہے)“۔

۴:......”عن جابر بن سمرةؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرجلُ ولدَهٗ خيرا له مِنْ أَن

یتصدق بصاع''۔ (مشکوٰۃ،ص:۴۲۳)

ترجمہ:''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی اپنے بچہ کو ادب سکھائے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک صاع صدقہ کرے''۔

۵:......''عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

إذا خطب إليكم مَنْ تَرضَون دينَهُ و خُلُقَهُ فزوِّ جوه إن لاتفعلوه تكن فتنة فى الأرض و فساد عريض۔ (مشکوٰۃ،ص:۴۲۴)

ترجمہ:''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس ایسے لوگ رشتہ بھیجیں جن کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو ان کا نکاح کردو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بہت زیادہ فساد برپا ہوگا''۔

اولاد کے جوان ہونے کے بعد ان کی شادی میں تاخیر نہ کریں، کیونکہ شادی میں تاخیر بھی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں غلط راستہ اختیار کرنے کی تحریک پیدا کرتی ہے اور پھر اس کا گناہ اور وبال اُن کے باپ پر ہوتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من ولد ولداً فليحسن اسمهٗ و أدبه فإذا بلغ فَلْيُزوجْه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثماً فإنما إثمه على أبيه''۔ (شعب الایمان للبیہقیؒ، حدیث نمبر:۸٦٦٦، باب فى حقوق الأولاد والأهلين)

ترجمہ:''جس شخص کے یہاں بچہ پیدا ہو تو وہ اس کا اچھا سا نام رکھے، اس کی اچھی تربیت کرے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کردے، پس اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے شادی نہیں کی اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا''۔

ہم نے ان تعلیمات کو چھوڑ کر اپنی اولاد کو صرف اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخل کرایا' جہاں لارڈ میکالے کا نصاب پڑھایا جاتا ہے، جہاں اسلامی عقائد پر کاری ضرب لگائی جاتی ہے، جہاں دین سے نفرت وبیزاری اور اسلام کی ہر بات میں تشکیک وتذبذب کا درس دیا جاتا ہے۔ ان تعلیم گاہوں میں مسلم نوجوانوں اور خواتین کی صورت وسیرت، وضع قطع، اخلاق ومعاشرت، تہذیب وثقافت کے تمام زاویئے ہی بدل کر رکھ دیئے گئے اور مادیت کا اتنا درس دیا گیا کہ آج کا نوجوان اپنے ملک کے بجائے اغیار کے ممالک میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے اور ایک مسلمان کے لئے اس وقت مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں، جب اس کی اولاد جوان ہوجاتی ہے اور وہ اس تہذیب میں ڈھلنے لگتی ہے جس کو اس کے والدین نے پسند کیا تھا۔ اب ایسا مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ میں نے

یہاں آکر دنیا تو کمالی، لیکن اپنی اولاد کی عزت و ناموس اور شرم و حیا کو داؤ پر لگا دیا۔ ایسے ہی ایک عبرت ناک واقعہ کی خبر ''روزنامہ امت'' میں بایں الفاظ چھپی ہے:

''لندن (امت نیوز) برطانوی عدالت نے پاکستانی نژاد جوڑے کو اپنی ۱۷ سالہ بیٹی کے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا سنادی ہے۔ اُنہیں کم از کم ۲۵ برس جیل میں قید کاٹنی پڑے گی۔ ٹیکسی ڈرائیور ۵۲ سالہ افتخار احمد اور اس کی اہلیہ ۴۹ سالہ فرزانہ نے غیرت کے نام پر اپنی ۱۷ سالہ بیٹی شفیلہ کو قتل کر دیا تھا۔ برطانوی پولیس کے مطابق شفیلہ کو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۳ء کو اس کے والدین نے قتل کر دیا تھا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیٹی مغرب زدہ ہوگئی ہے اور خاندان کے لئے شرم کا باعث بن رہی ہے۔ مقتولہ نے والد کی خواہش پر شادی سے بھی انکار کر دیا تھا۔ چیسٹر کراؤن کورٹ کے جج جسٹس روڈرک ایونز نے سزا سناتے ہوئے کہا کہ ماں باپ کی جانب سے اپنی بیٹی کو قتل کرنے کی وجہ صرف ''کمیونٹی'' ہے، جس میں وہ اپنے آپ کو شرمندہ محسوس کرتے تھے۔ فیصلہ سنائے جانے کے موقع پر ملزم جوڑے کے بیٹے جنید اور بیٹی مہوش بھی عدالت میں موجود تھے جو رونے لگے، جبکہ سزا پانے والی ان کی والدہ فرزانہ بھی کچھ لمحے سکتے میں رہنے کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ واضح رہے کہ مقتولہ شفیلہ کی لاش ٹکڑوں میں اس کے گھر کے قریب دریا کے کنارے سے ملی تھی۔ اپنے ماں باپ کے خلاف گواہی بھی اس بدقسمت جوڑے کی دوسری بیٹی ۲۴ سالہ علینا نے دی تھی''۔

ترقی دنیا اور مال و دولت کی طمع اور لالچ میں اس جوڑے نے اپنے دیس، ملک، خاندان اور اقرباء کو چھوڑا، ایک بیٹی کا غیر شرعی اور غیر اخلاقی حرکات کی بنا پر قتل ناحق کا ارتکاب کیا، دوسری بیٹی کو اپنا باغی بنایا، چھوٹے بچوں کو لاوارث اور بے سہارا کیا اور دونوں میاں بیوی کو کردہ گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید ہونا پڑا۔ یہ ہے نتیجہ دیارِ غیر میں رہنے کا اور یہ انجام ہے اولاد کی دینی تعلیم و تربیت سے غفلت برتنے کا۔ اسی کو قرآن میں ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کہا گیا ہے۔

نیک اولاد دین و دنیا کا بہترین سرمایہ اور آخرت کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ اگر ان کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتی گئی یا ان کی پرورش غلط بنیادوں پر کی گئی تو ایسی اولاد نہ صرف یہ کہ والدین کے لئے تباہی و بربادی کا سبب بنے گی، بلکہ ملک و قوم اور دین و مذہب کو بھی رسوا کرے گی۔ اس لئے شریعت مقدسہ نے اولاد کی اخلاقی، مذہبی، دینی، ہمہ قسم کی تعلیم و تربیت کا صحیح اور اعلیٰ انتظام کرنا ماں باپ کی ذمہ داری قرار دیا ہے اور ہر صاحب خانہ پر اپنی اولاد کی دینی تربیت اور اچھے اخلاق سکھانے کا فرض عائد کیا ہے، اس لئے کہ بچپن میں جس قسم کی تربیت ہو جاتی ہے، بڑا ہو کر آدمی اسی پر قائم رہتا ہے اور جو شخص جس روش اور عادت پر جوان ہوتا ہے، اسی روش اور عادت پر بڑھاپے تک قائم

رہتا ہے۔ اگر اولاد کو بچپن میں ہی غلط ماحول، غلط سوسائٹی اور غلط راستہ پر ڈال دیا گیا تو جوان ہو کر بھی وہ اُسی غلط راستہ اور غلط روش کا انتخاب کرے گی۔ اب اس کو راہ راست پر لانا نہایت کوشش کے باوجود دشوار ہوگا اور سوائے تباہی و بربادی کے ان سے کسی خیر کی توقع اور امید رکھنا عبث ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی اچھی تربیت کو بہترین عطیۂ الٰہی فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان کو بالعموم اور دیارِ غیر میں رہنے والے مسلم حضرات بالخصوص نوجوان بچوں کو صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول فراہم کریں۔ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ اور قریب تر کرنے کے لئے حد درجہ محنت اور کوشش کریں۔ سیرتِ نبوی، اسلامی تاریخ، صحابہ کرامؓ کے واقعات، بزرگانِ دین کے قصے اور مفید ناصحانہ ملفوظات پر مشتمل کتب کا خود بھی مطالعہ کریں اور بچوں کو بھی ایسی کتب پڑھنے کی ترغیب اور تدبیر کریں۔ ان شاء اللہ! جس اولاد کی تربیت اس انداز پر ہوگی تو وہ اولاد والدین کی زندگی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مرنے کے بعد ان کی حسنات میں اضافے کا سبب بنے گی۔

بقیہ: شیخ الحدیث علامہ الحاج غلام محمد جونیجو رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق وکردار اور تعلیم وتدریس سے ہم اتنے متاثر تھے کہ جب آپ رحمہ اللہ نے اپنے مدرسے کو چھوڑ کر حیدرآباد کے مدرسے جامعہ مفتاح العلوم میں پڑھانے کا ارادہ کیا تو میں بھی استاد صاحب کے ساتھ مفتاح العلوم حیدرآباد چلا آیا اور دورہ حدیث (1993ء کے آخر) تک ان کے ساتھ مدرسہ مفتاح العلوم حیدرآباد میں رہا، ہماری دستار بندی جنوری 1994ء میں ہوئی۔ جناب استادِ محترم کو چار پانچ سال بعد جامعہ مفتاح العلوم میں شیخ الحدیث کی مسند پر بٹھایا گیا اور آخر عمر تک، جب تک پڑھانے کی سکت رہی آپؒ مسند شیخ الحدیث پر فائز رہے۔

جناب استادِ محترم شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرتِ آیات:

جناب استادِ محترم کی ولادت باسعادت 1938ء میں اور رحلت 6 جون 2025ء کو ہوئی۔ اس طرح آپؒ نے تقریباً 87 سال کی عمر پائی اور چھ دہائیوں تک تعلیم وتدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ اس دوران ہزاروں تشنگانِ علم نے آپؒ سے کسبِ فیض کیا۔ بالآخر یہ علم کے بحرِ بے کنارا پنے پیچھے اپنے خاندان کے ساتھ ہزاروں علما وفضلا اور طلبا کو سوگوار چھوڑ کر اس دارِ فانی سے راہِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ اپنی رحمتیں ان پر نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

شخصیت

شیخ الحدیث علامہ الحاج غلام محمد جونیجو رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں

مولانا ڈاکٹر بشیر احمد رند

پروفیسر سندھ یونیورسٹی جامشورو

زندگی کے اس سفر میں ہمیں کچھ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو ہماری زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں؛ کچھ اپنے اخلاق و کردار کے ذریعے، کچھ اپنی نصیحت و خیر خواہی کے ذریعے، کچھ اپنی کامیابیوں کے قصے سنا کر، کچھ اپنی ناکامیوں کے داستان بتا کر اور کچھ اپنے علم، تعلیم و تدریس کے مخصوص انداز کے ذریعے ہمارے اندر تبدیلیاں لاتے ہیں۔ ویسے تو یہ سارے ہی ہمارے محسن ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح ہماری اصلاح کا ذریعہ بنتے ہیں مگر ان میں سے وہ لوگ جنھوں نے ہمیں تعلیم دی، ہماری تربیت کی، ہماری خامیوں کی اصلاح کی، ہماری خوبیوں اور صلاحیتوں کو نکھارا، سنوارا اور اجاگر کیا، ہمیں حوصلہ دیا اور ہم میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کیا، وہ ہمارے سب سے بڑے محسن ہوتے ہیں۔ ہم انھیں کبھی بھی بھول نہیں سکتے۔

ایسے ہی میرے محسنین کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سے کچھ بہت خاص ہیں، جو مجھے بہت یاد رہتے ہیں اور ان کی زندگی کے واقعات، نصیحتیں، پڑھائی کا انداز اور طرزِ تخاطب وغیرہ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ ان خاص محسنین کی لمبی فہرست میں میرے انتہائی محترم اور شفیق استاد شیخ الحدیث جناب علامہ الحاج غلام محمد جونیجو رحمۃ اللہ علیہ صاحب بھی ہیں۔ ہم ان کی زندگی کے کچھ چنیدہ واقعات کا ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

جناب شیخ الحدیث جونیجو صاحب کی تعلیم و اساتذہ:

جب کوئی شخص خالقِ فطرت اور فیاضِ عالم سے انتہائی ذہانت اور بلا کی قوت حافظہ لے کر پیدا ہوا اور خوش قسمتی سے اسے اچھے اساتذہ بھی مل جائیں اور وہ خود بھی انتہائی محنتی و جفاکش ہو تو وہ بندہ بڑا کمال کا بنتا ہے۔ ہمارے جناب استاد شیخ الحدیث غلام محمد جونیجو صاحب کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ فیاضِ عالم سے قوی ذہن اور بلا کی قوتِ حافظہ لے کر پیدا ہوئے تھے، پھر خوش قسمتی سے انہیں اپنے اپنے فن میں باکمال اساتذہ بھی ملے، جن کے ناموں کی فہرست دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے پڑھاتے ہوئے ہمیں جو کچھ بتایا، جو ہمارے حافظے میں محفوظ رہا اور جو کچھ انھوں نے کسی طالب علم کو حدیث پڑھانے کے لیے اجازت نامہ لکھ کر دیا اس کے مطابق آپؒ نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی:

آپؒ نے ناظرہ قرآن مجید اور شروع کے آٹھ پارے حفظ اپنے والد محترم حافظ اللہ ورایو جونیجو رحمۃ اللہ سے اسی کے قائم کردہ مدرسہ دار الرشد میں پڑھے۔ اس کے بعد اپنے ہی والد کے قائم کردہ مدرسہ کے اساتذہ سے درسِ نظامیہ کی تکمیل کی۔ درسِ نظامیہ کے علوم جن اساتذہ سے حاصل کیے ان میں ایک جناب مولانا نبی بخش زرداری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن سے فارسی وعربی گرائمر وادب کی تعلیم حاصل کی، مولانا نبی بخش زرداری صاحبؒ فارسی وعربی ادب میں نہایت معروف تھے، ان سے کچھ عربی ادب وگرائمر کی کتب ہم نے بھی پڑھی تھی، وہ نہایت منکسر المزاج اور حقیقی معنی میں ادیب تھے، اس کی فارسی خوش خطی تو ضرب المثل تھی، جس کا نمونہ ہم نے مدرسہ دار الرشد کی جامع مسجد کی دیواروں پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے فارسی اشعار کی صورت میں دیکھا۔ دوسرے مولانا عبدالرحمٰن ببر صاحب رحمہ اللہ تھے جن سے فقہ، تفسیر، حدیث اور بقیہ تمام مروجہ درسِ نظامی کے علوم حاصل کیے۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن ببر صاحب ضلع دادو سندھ کے معروف ومشہور عالمِ دین تھے، انھیں خاص طور پر فقہ میں بہت زیادہ مہارت وبصیرت حاصل تھی، ان کے فتاویٰ کی شہرت، میں نے نہ صرف اپنے علاقے میں، بلکہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی کے مفتی مولانا غلام قادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنی۔ ان کے فتاویٰ بہت زیادہ مشہور اور سَنَد کی حیثیت رکھتے تھے۔

اپنے مدرسے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپؒ نے دوسری مرتبہ دورہ حدیث، منطق ومعقولات پڑھنے کے لیے مدرسہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی ضلع خیر پور میرس میں داخلہ لیا، جہاں شیخ الحدیث ومہتمم مدرسہ مولانا عزیز احمد میمنؒ، مولانا مفتی غلام قادر میمنؒ، مولانا عبدالحی گھوٹوؒ اور مولانا محمد بلال مورو جو صاحبؒ جیسے مایۂ ناز اساتذہ کرام سے کسبِ فیض کیا اور یہ چاروں حضرات مدرسہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی کے بہت اچھے، مشہور اور اکابر اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا عزیز احمد میمن صاحب جو مدرسہ دار الہدیٰ کے مہتمم بھی تھے حدیث وعلوم الحدیث میں مہارت رکھتے تھے اور ہمارے محترم شیخ جونیجو صاحب کی حدیث کی سَنَد میں انہی کے دستخط ہیں، مولانا مفتی غلام قادر میمن صاحب فقہ وحدیث میں شہرت رکھتے تھے تو مولانا عبدالحی گھوٹو اور مولانا محمد بلال مورو جو صاحب منطق ومعقولات میں مایہ ناز تھے۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ مخزن العلوم خانپور پنجاب کا رخ کیا جہاں کے معروف عالمِ دین حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے تیسری بار دورہ حدیث پڑھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے شیخ محترم کو حدیث اور علوم الحدیث سے کتنا گہرا لگاؤ اور شغف تھا۔ پھر تفسیر پڑھنے کے لیے شیخ التفسیر مولانا غلام اللہ خانؒ صاحب راولپنڈی والے کے پاس جا پہنچے جن سے دورہ تفسیر پڑھا۔ پھر ولی اللٰہی فلسفے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ حیدرآباد سندھ جا پہنچے جہاں شاہ ولی اللہ اکیڈمی میں علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی تعلیم حاصل کی۔ (ہم وقتاً فوقتاً موقعے کی مناسبت سے استادِ محترم کی زبان سے شاہ ولی اللہؒ کے اقوال وفلسفیانہ باتوں کے حوالے سنتے تھے اور استادِ محترم کی زبان سے ہی ہم نے سب سے پہلے شاہ ولی اللہ کا تعارف سنا۔)

آپؒ بذاتِ خود بھی بہت زیادہ محنتی اور جفاکش تھے اور اساتذہ بھی باکمال ملے تو ظاہر ہے وہ ایک ''ہیرا'' بن کر اور نکھر کر سامنے آئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسے ہی اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے تو انہیں اپنے والدِ گرامی کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالرشد'' میں بطورِ استاد مقرر کیا گیا اور تقریباً 27 سال تک اپنے مدرسے میں پڑھاتے رہے۔

استادِ محترم کے مدرسہ میں میرا داخلہ:

پرائمری تعلیم کے ساتھ میرے والدِ محترم نے فارسی کی بنیادی کتب ''آمد نامہ سے گلستان وبوستان'' تک مجھے خود پڑھائی، اس کے بعد جنوری 1986ء میں مجھے ضلع دادو کے ایک مدرسے ''تاج الھدیٰ رحمانی نگر'' میں عربی ودینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل کرایا۔ وہاں میں نے ایک سال تک عربی گرامر (صرف ونحو) وادب کی بنیادی کتب پڑھیں۔ اس دوران مجھے میرے چچازاد بھائی استاد محمد یوسف رند اور پڑوسی عالمِ دین جناب مولانا محمد سلیمان سولنگی رحمۃ اللہ علیھما نے مشورہ دیا کہ آپ مدرسہ دارالرشد پریو جونیجو ''عرف پئی شریف'' نزد خیر پور ناتھن شاہ، میں داخلہ لیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ وہاں ایک بہت اچھے عالمِ دین پڑھاتے ہیں جو فنِ تدریس، تفسیر، حدیث، فقہ اور فتاویٰ میں بہت زیادہ مہارت رکھتے ہیں یعنی جناب الحاج غلام محمد جونیجو صاحبؒ، جو میرے چچازاد بھائی کے ہم جماعت اور مولانا محمد سلیمان سولنگی صاحب کے استاد تھے۔ انھوں نے جب شیخ الحدیث جناب غلام محمد جونیجوؒ صاحب کی بہت زیادہ تعریف کی تو مجھے اشتیاق ہوا کہ پہلے ان کی پڑھائی کا انداز دیکھنا چاہیے، تو میں داخلہ لینے کی نیت سے نہیں، بلکہ ان کی پڑھائی کے انداز دیکھنے کے لیے 1987ء میں ان کے مدرسے جا پہنچا، اس وقت جناب استاد صاحب، قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ کا ترجمہ وتفسیر پڑھا رہے تھے، اس وقت جو طلبہ استاد صاحب کے درس میں شامل تھے ان میں سے مولانا مختار احمد پنہور صاحب میہڑ والے اور دوسرے مولانا عبدالرزاق پنہور صاحب تھے جو شینہں یعنی شیر کے عرف سے مشہور تھے جو آجکل سکھر کے کسی مدرسے میں پڑھاتے ہیں، تو میں خاموشی سے ان کے درس میں شامل ہوگیا۔ جناب استاد صاحب نے چونکہ دورۂ تفسیر مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی والے سے پڑھا ہوا تھا لہٰذا ان کے تفسیر پڑھانے کا انداز بھی وہی تھا، جو مجھے بہت پسند آیا، اس کے بعد استاد صاحب نے فقہ کی کتب (کنز الدقائق، شرح وقایہ اور الھدایہ) مختلف درجات کے طلبا کو پڑھائیں اور نحو کی کتاب شرح جامی

پڑھائی۔ اس کے بعد استاد صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور میں نے اپنا مدعیٰ بتا دیا۔ جناب استاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آپ کو میری پڑھائی اچھی لگی ہے تو آ جاؤ، ہمارے مدرسے کے دروازے پڑھنے والے طلبا کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ اس طرح میرا داخلہ استادِ محترم کے مدرسے میں ہو گیا۔

استادِ محترم کا ذہن، حافظہ و اندازِ تدریس:

جناب استادِ محترم کے حافظے کا عالم یہ تھا کہ جب وہ کوئی بھی کتاب پڑھاتے تھے تو ایسے لگتا تھا کہ گویا وہ کتاب اسے یاد ہے۔ وہ طلبہ کو ہر فن کی بنیادی کتب یاد کرواتے تھے۔ آپؒ نے مجھے بھی نحو کی کتاب ''کافیہ'' اور منطق کی بنیادی کتب یاد کروائیں اور انھوں نے خود بھی وہ کتب پڑھنے کے وقت سے یاد کی ہوئی تھیں، لہٰذا وہ چوکڑی مار کر بیٹھتے اور اس اعتماد سے پڑھاتے تھے کہ گویا وہ خود ان کتب کے مصنف ہیں۔ فقہ میں تو وہ خاصی مہارت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی حوالے کے لیے ہمیں فرماتے تھے کہ فقہ کا یہ مسئلہ فلاں کتاب کے فلاں باب میں دائیں صفحے پر شروع میں لکھا ہوا ہے۔ اگرچہ صفحہ نمبر انہیں یاد نہیں ہوتا تھا لیکن جلد، باب اور صفحے کا طرف انہیں ضرور یاد ہوتا تھا اور ہم نے کئی مرتبہ اس کا تجربہ و مشاہدہ بھی کیا۔

پڑھانے کا انداز انتہائی شفیقانہ اور خیر خواہانہ ہوتا تھا، وہ سبق پڑھاتے نہیں تھے بلکہ پانی میں گھول کر پلا دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ طلبا ان کے مشتاق ہوتے تھے۔ وہ پڑھانے کو پیشے کے بجائے خدا کی عبادت سمجھتے تھے، انھیں گویا کہ پڑھانے سے عشق تھا۔ وہ اپنے مدرسہ میں بلا معاوضہ پڑھاتے تھے اور بہت ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔ پڑھانے اور پڑھنے میں وہ ناغہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ میں ان کے مدرسے میں تین سال تک رہا مگر میں نے ان تین سالہ دور میں کبھی نہیں دیکھا کہ سوائے کسی عزیز کی فوتگی یا اہم معاملے کے انھوں نے پڑھائی میں ناغہ کیا ہو۔

سیرت و کردار:

جناب استاد رحمۃ اللہ علیہ بہت اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک تھے، یا یوں کہا جائے کہ حقیقی معنی میں صوفی مَنش انسان تھے۔ ہم نے کبھی بھی ان کی زبان سے کوئی ناشائستہ لفظ نہیں سنا اور نا ہی شرع و سنت کے خلاف کوئی عمل دیکھا۔ طلبا سے کمیاں وکوتاہیاں ہوتی رہتی تھیں لیکن زیادہ تر چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ اگر کہیں نصیحت کی ضرورت ہوتی تھی تو ''الدین النصیحۃ'' کی عملی تعبیر کے طور پر نظر آتے تھے اور نہایت شفیقانہ و خیرخواہانہ انداز میں نصیحت فرماتے تھے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپؒ نے کسی طالب علم سے سخت لہجے میں بات کی ہو یا اسے ڈانٹا ہو۔ طلبا کے والدین، یا دوست و احباب مدرسے میں آتے تو آپؒ ان سے بہت خوش اخلاقی سے ملتے اور ان کی

خاطر تواضع کا انتظام فرماتے، ان کے لیے کھانا اپنے گھر سے خود لے کر آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جناب استاد صاحب کے گرویدہ بن کر جاتے تھے۔

آپ اپنے علاقے کے چھوٹے سے زمین دار بھی تھے، انہیں زمین اپنے والد کی وراثت سے ملی تھی۔ ہاری اور کمداران کے پاس آتے رہتے تھے، ان کے ساتھ بھی حضرت استاد کا انداز نہایت مشفقانہ ہوتا تھا اور وہ بھی نہایت ادب اور احترام کے ساتھ استادِ محترم سے پیش آتے تھے۔ یہی رویہ آنجنابؒ کا اپنے گاؤں والوں، پڑوسیوں، اپنے سابقہ طالب علموں اور فتاویٰ پوچھنے کے لیے آنے والوں سے ہوتا تھا کہ ان سے بھی نہایت شفیقانہ انداز سے ملتے تھے۔ لوگ آپ سے مل کر اپنائیت محسوس کرتے تھے۔ جناب استادِ محترم سے مل کر ہر کوئی یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس سے بہت پیار کرتے ہیں جب کہ آنجنابؒ کا رویہ سب کے ساتھ اسی طرح کا ہوتا تھا۔

مجھ حقیر سے تو آنجنابؒ کا اتنا پیار، محبت، اُلفت وشفقت کا برتاؤ تھا کہ اگر کبھی انہیں کل صبح سویرے کسی نہایت کام سے جانا ہوتا تو مجھے فرماتے تھے کہ کل صبح فجر نماز سے پہلے آپ کی فلاں فلاں اہم کتب آپ کو پڑھاؤں گا پھر فجر نماز ادا کر کے کام سے جاؤں گا۔ یہ آنجنابؒ کی مجھ خاکسار پر خاص عطا ونوازش تھی، جو میں کبھی بھول نہیں سکتا۔

آپؒ جب تک اپنے مدرسے میں پڑھاتے رہے جمعے کا خطاب بھی اپنے گاؤں کی جامع مسجد میں خود فرماتے رہے۔ آپ کے خطاب میں خطیبانہ جوش تو نہیں ہوتا تھا مگر نہایت رقت آمیز اور ناصحانہ ہوتا تھا، ایسے لگتا تھا کہ یہ الفاظ استادِ محترم کی زبان سے نہیں بلکہ دل سے نکل رہے ہیں۔ ہم کوشش کر کے آپؒ کا خطاب ضرور سنتے تھے۔

جامعہ مفتاح العلوم میں تدریس:

جناب استادِ محترم کے علم وتدریس کی شہرت، ان کے طلبا کے واسطے سے، ان کے چھوٹے گاؤں سے نکل کر سندھ کے بڑے بڑے شہروں تک پہنچ چکی تھی۔ جیسے ہی آنجناب کی تدریس کی شہرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد تک پہنچی تو انھوں نے اپنے کچھ رفقاء کے ذریعے جناب استادِ محترم کو اپنے مدرسے میں پڑھانے کے لیے درخواست کی اور پھر اپنے نمائندوں کے ذریعے بار بار بہت اصرار کیا، تو جناب استادِ محترم سال 1990ء کو مدرسہ مفتاح العلوم حیدرآباد پہنچے اور آخر عمر تک اسی مدرسے سے وابستہ رہے۔ (باقی صفحہ نمبر: ۵۲)

سفرگزشت

بلوچستان کا علمی منظر نامہ ،مشاہدات وتاثرات

مولانا مفتی سمیع الرحمن

استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

ششماہی تعطیلات کے ایام میں، جامعہ دارالعلوم حرم زئی کے مدیرِ محترم مفتی سید عتیق اللہ صاحب کی پرخلوص دعوت پر بلوچستان کے سرحدی شہروں، پشین، قلعہ عبداللہ اور چمن کے علمی و دینی مراکز کی زیارت کا موقع نصیب ہوا۔ اس سفرِ علم وعرفان میں جامعہ فاروقیہ کراچی فیز ٹو کے ناظمِ تعلیمات مفتی عمر فاروق صاحب، پی آئی اے کے امام مولانا صدیق، بیت الخیر کے استاذ حدیث مولنا محمد فیصل صاحب بھی ہمراہ تھے۔ پہلا پڑاؤ دارالعلوم حرم زئی میں ہوا، جہاں کے مدیرِ محترم مفتی سید عتیق اللہ صاحب، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی کے اُن ممتاز فضلا میں سے ہیں جن پر ان کے شیخ ومربی، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خانؒ کی تربیت کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔ دارالعلوم حرم زئی کا نظامِ تعلیم دیکھنے کی تمنا مدت سے دل میں مچل رہی تھی، کیوں کہ یہ ادارہ محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک فکر و انقلابِ علم وعمل کا مظہر ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی توجہات اور مدیرِ محترم کی شبانہ روز مساعی نے اس وادیِ خموش کو علم وآگہی کی روشن بستی میں تبدیل کردیا ہے۔ دور دراز اور پسماندہ خطے میں قائم یہ درسگاہ تعمیری حسن اور روحانی جلال کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ زیرِ تعمیر وسیع وعریض مسجد، دیدہ زیب تعلیمی بلاکس، اور سینکڑوں طلبہ کے قیام وطعام کا منظم نظام، سب اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ یہاں علم صرف پڑھایا نہیں جاتا بلکہ زندہ کیا جاتا ہے۔

محض پندرہ برس کے قلیل عرصے میں اس ادارے نے چار وفاقی اور سینتیس صوبائی پوزیشنیں حاصل کرکے ایک ریکارڈ قائم کیا ہے۔ مگر درحقیقت اس کی کامیابی اعداد وشمار سے نہیں، بلکہ اس علمی فضا کی پاکیزگی سے پہچانی جاسکتی ہے جو سیاست کے شور وغل سے یکسر آزاد ہے۔ ادارے کی انتظامیہ نے تدریسی ماحول کو سیاسی آلودگی سے محفوظ رکھا ہے، جس کے نتیجے میں طلبہ کا ذہن یکسو، مقصد واضح، اور کردار سنجیدہ نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے طلبہ میں فکری گہرائی، علمی وقار، اور روحانی بالیدگی جھلکتی ہوئی محسوس ہے۔

بعدازاں مدیرِ محترم ہمیں خانائی بابا کے مقام پر واقع مدرسہ تعلیم القرآن لے گئے، یہ بھی ایک ایسا حیرت انگیز تعلیمی مرکز ہے جو پہاڑ کی غاروں میں قائم ہے۔ ان غاروں میں قرآنِ کریم کی بارہ درسگاہیں ہیں، جہاں طلبہ کی تلاوت سے فضا گونجتی ہے، اور منظر ایسا محسوس ہوتا ہے گویا قرآن کی تسبیحی لہریں پہاڑوں سے ہم نوا ہوکر پکار رہی ہوں: یٰٓ

جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ۔ ان غاروں کا قدرتی نظام گرمیوں میں ایئر کنڈیشنر اور سردیوں میں ہیٹر کا کام دیتا ہے، گویا قدرت خود علم کی خدمت پر مامور ہے۔ اسی طرح کے ایک سفر نے ہمیں خانوزئی کے ایک دشوار گزار علاقے میں پہنچایا، جہاں گاڑی کے لیے بھی راستہ میسر نہ تھا۔ مگر وہاں مدرسۃ الصفہ کے جواں سال مہتمم مولانا صدیق اللہ، جو جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل ہیں، نے ایک مزدور کے ساتھ مل کر مٹی کی تین درسگاہیں اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیں۔ اب وہ تنِ تنہا تو ے طلبہ کو حفظ و ناظرہ کی تعلیم دے رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اخلاص وللّٰہیت کی خوشبو دل کے نہاں خانوں تک سرایت کر گئی۔ اللہ تعالیٰ محدثِ عصر مولانا سلیم اللہ خانؒ کی قبر پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے، جنہوں نے اپنے تلامذہ کے دلوں میں درس وتدریس، اخلاص و خدمتِ دین کا چراغ روشن کیا۔

مزید برآں، جامعۃ الحسنین میں مفتی سید اکرام اللہ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ چمن میں حضرت مولانا عبدالغنیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کا شرف حاصل ہوا، پھر مولانا صلاح الدین کے ادارے کی عظیم الشان مسجد کی زیارت نے قلب کو سکون بخشا۔ رات گئے مفتی حنیف صاحب دامت برکاتہم سے ایک علمی وفکری نشست رہی، جس میں معاصر نصاب، تعلیمی اصلاحات، اور استعدادِ طلبہ پر مفصل گفتگو ہوئی۔ مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل اور نہایت اعلیٰ پایہ کے مدرس ہیں، جو فارغ التحصیل طلبہ کے لیے تکمیلِ درسِ نظامی کا ایک خصوصی کورس بھی کرواتے ہیں۔ آج سے بیس پچیس قبل بلوچستان کے طلبا کا رجحان پنجاب کے مدارس اور اکوڑہ خٹک کی طرف رہتا تھا، اب زیادہ رجحان کراچی کی طرف ہو گیا ہے، پہلے بلوچستان میں قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ تلاوت کرنے اور تجوید سیکھنے کی طرف توجہ نہیں تھی، اب الحمدللہ با تجوید پڑھنے کا شوق نمایاں ہے۔ چمن میں طلبا کی اکثریت غیر رہائشی ہونا پسند کرتی ہے، جس کا نتیجہ انحطاطِ استعداد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح اسباق بھی اکثر پشتو میں ہوتے ہیں جس کا اثر وفاق کے نتیجہ میں پڑتا ہے، مفتی حنیف صاحب نے چند اسباق اردو میں پڑھانا شروع کئے جس سے طلبا میں اردو بول چال سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

سہ روزہ سفر کی چلت پھرت کے مشاہدات سے درج ذیل نمایاں نتائج سامنے آئے۔

1- دینی استحکام: بلوچستان بظاہر مادی وسائل کے لحاظ سے پسماندہ ہے، مگر دینی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے یہ خطہ ایک مضبوط قلعہ بن چکا ہے۔ دینی مدارس کا جال شہر، بستی اور گاؤں تک پھیلا ہوا ہے۔

2- حفظِ قرآن میں ترقی: ماضی کے برعکس اب حفظِ قرآن کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ مکاتب و مدارس میں تجوید وقراءت پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ ان کے لہجوں کی اصلاح کے لئے معروف مجودین کی تلاوت کی سماعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ جس جس مدرسہ میں جانا ہوا وہاں بچوں سے قرآن کریم سننے کا موقع ملا اور دل باغ باغ ہو گیا۔

3-عربی زبان وادب کا فروغ: درجہ کتب کے مدارس میں عربی تدریس کا فروغ خوش آئند ہے۔ دارالعلوم حرم زئی اس میدان میں مثالی ادارہ بن چکا ہے، اور دیگر مدارس اسی روش پر گامزن ہیں۔ اسی سفر میں تخصص فی الادب والافتاء کا حسین امتزاج بھی دیکھنے کو بھی ملا۔

4-سیاسی اثرات سے اجتناب: چند علاقوں میں سیاسی رنگ نمایاں ہے، جو تعلیمی نظم کے لیے مضر ہے۔ ضروری ہے کہ طلبہ کو دورانِ تعلیم سیاست سے دور رکھا جائے تا کہ ان کی علمی استعداد نکھر سکے۔

5-حضرت شیخ الحدیثؒ کی محنت و میراث: بلوچستان کے کونے کونے میں قائم مدارس دراصل حضرت شیخ الحدیثؒ کی دوررس نگاہ اور بے مثال اخلاص کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے مدارس کو وفاق کے تعلیمی نظم سے جوڑنے کے لیے طویل سفر کیے اور انہیں وحدتِ علم کی لڑی میں پرو دیا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اس میراث کو محفوظ رکھنا آنے والی نسل کی ذمہ داری ہے۔

6-دینی ودنیاوی امتزاج ایک خوشگوار تبدیلی یہ ہے کہ کئی مدارس نے دینی تعلیم کے ساتھ ابتدائی عصری تعلیم کا بھی نظام قائم کیا ہے، جس سے عوام کا اعتماد سرکاری اسکولوں سے زیادہ ان دینی اداروں پر ہے۔ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کے اداروں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک خطاب میں فرمایا تھا: ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جتنے بھی دینی مدارس ہیں، یہ قرآن وسنت کی حفاظت کا اعلیٰ طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس کو مضبوطی کے ساتھ رکھنا ضروری ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی ہرگز قبول نہیں ہوگی لیکن اس پر اکتفا کرنا اب کافی نہیں، اس کا علاج یہ ہے کہ آپ باقاعدہ انگریزی مدارس قائم کریں، جس میں اعلیٰ درجے کی ان کو انگریزی زبان بھی سکھائی جائے اور اعلیٰ درجے کی ان کی تربیت بھی کی جائے اور انہیں ایسا بنایا جائے کہ وہ عصرِ حاضر کے ہر چیلنج کا مقابلہ کر سکیں۔'' (خطاب: جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا 11 شعبان 1428ھ)۔

یہ تین روزہ سفر ایک روحانی تجربہ تھا، جس نے علم وعمل کی حرارت کو تازہ کر دیا۔ مفتی سید عتیق اللہ صاحب کی درویشانہ سادگی، مہمان نوازی اور سیدیانہ جود وسخا نے دِلوں کو مسحور کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید عزت و برکت سے نوازے، ان کے ادارے کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اور اہلِ حق کے تمام مدارس کو اتحاد، اخلاص اور علمِ نافع کی روشنی سے منور رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

مطالعے کی میز سے

محمد احمد حافظ

خلوصِ نیت سے کیے ہوئے اعمال:

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پورے قدس سرہ فرماتے ہیں:

''زندگی میں ایک عمل بھی خالص نیت سے ہوجائے تو ہوسکتا ہے کہ نجات کے لیے کافی ہوجائے۔ اس کی وجہ اور تفصیل تو بہت ہے، اگر تم خدمتِ والدین اور حقوق زوجین ادا کرتے ہو، اور یہ حقوق کی ادائیگی کا خیال خوف خداوندی یا رضائے الٰہی کے پیش نظر ہے تو جو کام جائز ہو وہ سب کام تمہارے لیے درست ہیں۔ اور اگر اس نتیجے پر پہنچو کہ یہ بات پیدا نہیں ہوئی تو پھر سب کام چھوڑ کر اس قسم کی نیت کرنا سیکھو کہ اس کے بغیر جو بھی کروگے عاقبت میں تمہیں کیا کام آئے گا؟'' (سوانح مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ)

علماء کی سرکاری مناصب سے بے رغبتی:

بنگال میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو لوگوں کے رجحانات کے مدنظر حکومت نے ۱۷۸۰ء میں کلکتہ میں ''مدرسہ عالیہ'' کی بنیاد رکھی جس میں علوم دینیہ پڑھائے جاتے رہے۔ انگریز کو اس ادارے کی سرپرستی اس لیے مطلوب تھی کہ اس طرح علماء اس کے زیر اثر رہیں گے۔ اس ادارے کی صدر معلمی کے لیے کسی نامور عالم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سلسلے میں اس کی نگاہ علامہ دوراں حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ پر گئی، لیکن وہ دیوبند سے تعلق رکھتے تھے۔ اور دیوبند سے انگریز کو چڑ تھی، پھر حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کا نام سامنے آیا، مگر وہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے، جنھوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی کا نام انتخاب میں آیا۔ حضرت سے خط کتابت ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''میں اپنے علم کو نیلام پر نہیں چڑھانا چاہتا اور نہ معقول تنخواہ کے لالچ میں انگریز کی ملازمت قبول کرسکتا ہوں۔ میں نے ریاست بہاول پور کی مرکزی درس گاہ کی ملازمت صرف اس وجہ سے قبول کی ہے کہ یہ اسلامی ریاست ہے۔ اور والیٔ ریاست کا تعلق عباسی خاندان سے ہے جس کی علم پروری تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔''

علماء کرام کے اس ایثار، للّٰہیت، اور جذبہ خدمتِ دین کا ثمر ہے کہ برصغیر میں جگہ جگہ دینی مدارس قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ بقول علامہ اقبال کے ''انہی مدارس کی برکت ہے کہ پاک و ہند میں اندلس کی

تاریخ نہیں دہرائی جاسکی۔‘‘(بحوالہ: دینی مدارس کا ماضی وحال، حضرت مولانا علامہ محمد عبداللہؒ)

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ کی سخاوت:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ کے کسی باغ کی طرف سے گزر رہے تھے تو ایک نوعمر حبشی غلام کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک روٹی تھی اور اس کے سامنے کتا بیٹھا تھا، وہ لڑکا ایک لقمہ خود کھاتا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا، اس طرح پوری روٹی تقسیم کرکے آدھی اِس کتے کو کھلادی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے کیوں اپنی روٹی میں آدھے کا شریک کتے کو بنایا اور خود زیادہ حصہ نہیں لیا؟

غلام کہنے لگا: میری آنکھیں اس (کتے) کی آنکھیں دیکھ کر شرم محسوس کرتی تھی کہ میں زیادہ کھاجاؤں۔

حضرت حسن نے پوچھا: تم کس کے غلام ہو؟

غلام نے کہا: میں ابان بن عثمان کا غلام ہوں۔

پوچھا کہ یہ احاطہ کس کا ہے؟

غلام نے بتایا کہ ابان کا ہے۔

حضرت حسن نے فرمایا: میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جب تک واپس نہ آجاؤں تم یہیں بیٹھے رہنا۔ چنانچہ آپ گئے اور اس غلام کو خریدلیا۔ اور احاطہ کو بھی خریدلیا۔ اور غلام کے پاس آکر فرمایا: میں نے تم کو خریدلیا۔

’’اس نے اٹھ کر کہا اللہ اور اس کے رسول کے سول اور ان کے بعد میں آپ کے احکام سننے والا اور فرماں بردار ہوں۔‘‘

پھر حسن نے فرمایا تو میری طرف سے آزاد ہے اور یہ احاطہ تجھے ہبہ کردیا۔ (تاریخ دمشق)

مدینۃ النبی۔۔مرکزی انوارِ الٰہی:

اے مدینۃ النبی! تو مرکز انوار الٰہی ہے، تُو نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہوگیا۔ اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے۔ فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر سلام و درود کے تحفے لائے ہیں، تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ تو نے ادب کو درخشاں کیا، تو نے عدل کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور تو ہمارا ہے۔ تیری صبحوں میں صحابہ کا سوز دُروں اور انصار و مہاجرین کا جوشِ جنوں ہے، تو شب زندہ داروں کی بلاواسطہ حکایت کا گہرِ مکنوں ہے، تو عرش سے نازک تر ہے۔ تیرے آغوش

میں منصف اسلام سورہا ہے۔ تیری مٹی پاتال تک مقدس ہے،تو سب سے بڑی تاریخ ہے۔ تیرے شمال میں اُحد ہے،جس نے بقول ابوالحسن علی ندوی لغت کوشجاعت کے بے شمار الفاظ دیے ہیں۔ تیرے مشرق میں جنۃ البقیع ہے، جہاں وہ لوگ سورہے ہیں جو ابدالآباد تک زندہ ہیں۔جن کے لیے موت نہیں،جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لیے بھاگ گئی،جن کے چہروں کی غیرت نے عرش وفرش سے سلام لیے ہیں، جوصرف زندہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے۔جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتدا ہے اور وہ مر کے زندگی کی ابتدا کر گئے، وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے۔(آغا شورش کاشمیری۔بحوالہ''بارگاہ رسالت میں''مرتب:)

عجمی شعراء میں عشق نبوی کی وجہ:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عجمی شعراء میں ذات نبوی کے ساتھ جو عشق اور والہانہ تعلق تھا،عربی شاعری میں اس کا پتا نہیں چلتا، اس کی معقول وجہ بھی ہے، بُعدِ مسافت، یہاں سے وہاں جانا دشوار پہلے بھی تھا اور ہر ایک جا بھی نہیں سکتا تھا،اس لیے اپنی محبت اور عقیدت کو اشعار میں پروتے تھے،عربوں میں یہ بات نہیں، وہ ہر وقت مرقد مبارک کو دیکھتے رہتے ہیں۔ یہاں کے شاعر تھے''شہیدی''وہ فوج میں تھے یا محاسب،ان کا ایک شعر ہے:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روح مقید کا

وہ مدینے جارہے تھے،کس نے کہا وہ دیکھیے گنبدِ خضراء،نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ شعر پڑھا،اسی وقت روح پرواز کرگئی،خدا نے اپنے مخلص بندے کی تمنا پوری کی۔(مجالس مولانا علی میاںؒ۔مرتبہ مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی)

تعلیم کے ساتھ تجارت ؛ایک خوش نُما نعرہ:

آج کل ایک نعرہ بہت زور وشور کے ساتھ لگایا جاتا ہے کہ علماء تعلیم وتعلم کے ساتھ تجارت کا مشغلہ بھی اختیار کریں، بہ ظاہر یہ بہت سنہرا اور خوش نما نعرہ ہے؛لیکن درحقیقت یہ ایک زہر آلود نعرہ ہے،تعلیم وتعلم کا بستر سمیٹنے والا نعرہ ہے؛ کیوں کہ تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ جولوگ تعلیم وتعلم کے ساتھ تجارت کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں ان کے اندر دو باتوں میں سے کوئی ایک ضرور پائی جاتی ہے:(۱) یا تو ایسے لوگ تعلیم ہی ترک کر دیتے ہیں، اکثر وبیشتر تو یہی ہے۔(۲) یا ان کا علم سطحی رہ جاتا ہے،تحقیقی نہیں رہتا۔اکثر وبیشتر مذکورہ دونوں باتوں میں سے ایک کوئی ایک ضرور پائی جاتی ہے، تجربے سے یہ بات ثابت ہے، تجربہ بھی کسی چیز کا نام ہے، ہاں اتفاق اور نوادر تو ہر جگہ ہو سکتے ہیں،

ہر کوئی امام ابوحنیفہ نہیں ہوسکتا، علماء اگر تجارت میں لگیں گے تو پھر تجارت ہی کے ہو کر رہ جائیں گے، تعلیم و تعلم کے لیے سو فی صد یکسوئی ضروری ہے۔(حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری -حفظہ اللہ- دوران درس ''رسم المفتی''، ناقل: محمد قاصد میواتی)

دُھوپ رہتی ہے نہ سایہ دیر تک:

زندگی میں ہزار روح فرسا واقعات رونما ہوتے ہیں، زندگی مصائب و آلام کی ایک نہ ختم ہونے والی کہانی ہے، یہاں ہر لمحہ پریشانی، ہر لحظہ دکھ اور ہر قدم پر ابتلا کا سامنا ہے، بڑی سے بڑی مصیبت، کٹھن سے کٹھن، منزل جان لیوا حادثات پیش آتے ہیں، گزر جاتے ہیں، کچھ دن ان تکالیف وحوادث کے نقوش یادوں کے اوراق پر چمکتے ہیں، پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مدھم ہوتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ ان کا ہلکا سا پَرتو بھی یادوں کی بساط پر باقی نہیں رہتا، جگر پاروں کی موت، دوستوں سے مفارقت، عزیزوں سے جدائی، عسرت وافلاس، ناداری وتنگ دستی سبھی کچھ انسان دیکھتا ہے اور دن گزرتے چلے جاتے ہیں مشکلیں ملتی جاتی ہیں۔ وقت کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ انسان سب کچھ سہنے کا عادی ہو جاتا ہے، بہار کے بعد خزاں آتی ہے، پرانے پتے جھڑ جاتے ہیں، اوراق گل پریشان ہو کر بکھر جاتے ہیں، رنگا رنگ پھولوں سے لدی ہوئی شاخیں برہنہ ہو جاتی ہیں، شاداب گلزار، دمکتے ہوئے مرغزار، بے ثمر شاخوں اور بے روح زندگی کا منظر پیش کرتے ہیں درختوں کے پتے(جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اپنی راگنی چھیڑتے تھے) زمین کا رزق بن جاتے ہیں۔ یہ روز کا تجربہ، زندگی کے مختلف روپ، وقت کی تصویریں ہیں جو روز و شب انسان دیکھتا ہے۔ دیکھتا ہے گزر جاتا ہے۔ آنکھ ہر حادثے، ہر غم پر اشک بہاتی ہے، چہرے وقتی طور پر مرجھاتے ہیں، دل چند روز تک پریشان رہتے ہیں؛ مگر زندگی پھر دنیا کے ہنگاموں میں گم ہو جاتی ہے، ہر حادثہ ماضی کا حصہ، ہر پریشانی نسیان کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔(حافظ لدھیانوی، بحوالہ: ''جمال حرمین'')

کُند ذہنی کا کیا علاج؟:

تاریخ کے پرچے میں ممتحن نے پوچھ لیا کہ: محمود غزنوی کہاں کا رہنے والا تھا؟

لڑکے نے کوئی جواب نہ لکھا، والد نے اسے سمجھایا کہ ''غزنوی'' کے معنی ہیں ''غزنہ'' کا رہنے والا۔ اس کی مثال ہے قاسم بغدادی، رحیم بغدادی، عارف بغدادی، یہ سب بغداد کے رہنے والے تھے۔ دوسرے روز پھر ویسا ہی سوال آ گیا: ''شہاب الدین غوری کا گھر کہاں تھا؟''

لڑکے نے لکھا: ''یہ سب بغداد کے رہنے والے تھے۔''